اہل دین کی یہ خطرناک غلطی ہے کہ وہ ظاہری رسوم کو اصل دین سمجھ لیتے ہیں اور اس کی رُوح سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ ورنہ روح وروائح کے لحاظ سے تمام آسمانی ادیان ایک ہیں اور اسلام ان سب ادیان کی آخری اور مکمل صورت ہے۔ یہودی نے اسی بنا پر عیسائیت کا انکار کیا اور عیسائی نے یہودیت کا۔ اور پھر غرور مذہبی کی بھی حد ہوگئی کہ دونوں نے اپنے فرقوں کو نجات کا واحد اجارہ دار سمجھ لیا۔

قرآنِ حکیم کہتا ہے:

''تم اپنے تعصب کو عقل و برہان کی روشنی میں دیکھو۔''

[تفسیر سراج البیان، ج:۱، ص:۳۹۔ سورۃ البقرۃ]

بھلائی کی کنجی

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ : ((اِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيْقَ لِلشَّرِّ، وَاِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيْقَ لِلْخَيْرِ فَطُوْبٰى لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الْخَيْرِ عَلٰى يَدَيْهِ، وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الشَّرِّ عَلٰى يَدَيْهِ)) [ابن ماجہ:۲۳۷۔ ۱۳۳۲]

اس حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ ’’انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعض لوگ بھلائی کی کنجیاں اور برائی کی رکاوٹ ہیں (یعنی لوگوں کو بھلائی سکھاتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)۔اور بعض لوگ برائی کی کنجیاں اور بھلائی کی رکاوٹ ہیں سو مبارک باد ہو اس شخص کو جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ بھلائی کی کنجیاں دے اور خرابی ہے اس شخص کی جس کے ہاتھ برائی کی کنجی ہے۔

اور جو کوئی شخص اپنے لیے یہ پسند کرے کہ وہ بھلائی کی کنجی ہو اور برائی کے لیے رکاوٹ ہو اور مبارک بادی کے مستحق لوگوں میں شامل ہو جائے۔ تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اعمال کو اپنے اوپر لازم کرے۔

① ......اپنے ہر قول وعمل کو اللہ کے لیے خالص کردے کیونکہ اخلاص ہر نیک کام کی بنیاد ہے۔ ② ......اللہ تعالیٰ سے اس کی طلب کرنے کی دعا کرے اور اصرار کرے۔ کیونکہ دعا ہر نیک کام کی کنجی ہے اللہ تعالیٰ کسی بندے کی دعا کو رد نہیں کرتا اور کسی مؤمن کی پکار کو رائیگاں نہیں کرتا اور دعا ہر خوبی کا سرچشمہ ہے۔ ③ ......علم حاصل کرنے کے لیے لالچ کرنا کیونکہ علم عزت اور خوبیوں کی طرف بلاتا ہے اور آزمائشوں اور بری عادتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ④ ......اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ کرنا خصوصاً فرائض کا اہتمام کرنا خاص کر نمازوں کا باجماعت اہتمام کرنا کیونکہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ ⑤ ......اپنے آپ کو اچھے اخلاق کے ساتھ مزین کرنا اور ان کا نمونہ بننا، اور برے اخلاق سے دور رہنا۔ ⑥ ......اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اس لیے کہ ان کی مجلسوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس مجلس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بازاری بدکردار لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھنے سے بچنا کیونکہ برے لوگوں کی مجلس شیطان کے اترنے کی جگہ ہے۔ ⑦ ......اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نصیحت کرتے رہنا تمہارے ساتھ ان سے ملاقات کے وقت ان کے ساتھ کام کرتے وقت ان کو برائی سے منع کرتے رہنا۔ ⑧ ......قیامت کے دن کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کے وقت کو یاد رکھنا جس دن اچھائی کرنے والوں کے لیے اچھائی کا بدلہ دیا جاتا جانے کی اور برائی کرنے والوں کو کو برائی کا بدلہ دیا جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔[الزلزال:۷۔۸] ⑨ ......ان سب کا دارومدار بندے کی دلچسپی اور رغبت کا ہونا یعنی اچھا کرنے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں دلچسپی اس وقت ہوگی جب پختہ نیت ہو اور مضبوط ارادہ ہو اور ان سب میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے اور ہر معاملے کو صحیح راستے سے لائے تب یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیر کی کنجی اور برائی کی رکاوٹ بن جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے بندوں کی سرپرستی کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے حق کے ساتھ کامیاب کرتا ہے، وہ بہتر کامیاب کرنے والا ہے۔

فہرست

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

[البقرة: ۲۸۱]

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

عیادت کرنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْ زَارَ أَخًا لَهٗ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ اَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا))

[ترمذی: ۲۰۰۸]

''جو کسی مریض کی عیادت کرتا ہے یا اپنے مسلمان بھائی کو اللہ کے لیے ملتا ہے اسے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ تو خوش ہو تیرا چلنا اچھا ہوا اور تو نے جنت میں گھر حاصل کر لیا ہے۔''

کھانے کے بعد کی دعا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا)) [بخاری: ۵۴۵۸]

''تمام قسم کی حمد اللہ ہی کے لیے ہے بہت زیادہ پاکیزہ برکت والی ہم اس کھانے کا حق پوری طرح ادا نہ کر سکے اور یہ ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا گیا (اور یہ اس لیے کہا تاکہ) اس سے ہم کو بے پرواہی کا خیال نہ ہو اے ہمارے رب۔''

سپریم لاء

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

عدلیہ کی بحالی ہو چکی۔عدلیہ بحالی کی تحریک کم وبیش دو سال بعد کامیابی سے ہم کنار ہوئی...... چاہے کسی صورت ہی......میاں محمد نواز شریف نے اس تحریک بلکہ لانگ مارچ میں قائدانہ طور پر شامل ہو کر وکلاء تحریک کو فائدہ پہنچایا بھی اور اس سے فائدہ اٹھایا بھی خوب۔

جناب چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری مسند انصاف پر فائز ہو چکے ہیں اور ان کے ہم خیال رفقائے کار بھی اپنے اپنے مناصب سنبھال چکے ہیں اور صحیح بات تو یہ ہے کہ اب آزمائش ان جج حضرات کی ہے جن سے ہماری خوش فہم اور زود اعتبار قوم بہت سی توقعات وابستہ کر چکی ہے۔مقدمات میں انصاف ہر انسان کا حق اور عدلیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ہمارے ہاں برٹش قانون کے فریم میں فٹ کیا ہوا آئین پاکستان، جس میں اپیل در اپیل جیسی قباحتوں کے علاوہ مجرم سے جذبہ ہمدردی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔جس میں مرحوم جنرل ضیاء الحق نے قرار دادِ مقاصد کومن وعن شامل کرنے کے علاوہ قرآن وحدیث کو سپریم لاء یعنی سب سے برتر قانون ہونے کی شق شامل کردی تھی اور جو بحمد اللہ ہمارے علم کی حد تک فی الحال موجود ہے۔واضح رہے کہ محترم جج حضرات کی بحیثیت مسلمان ہونے کے عدل کی ذمہ داری کے علاوہ انھیں یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ مؤرخ ''آزاد عدلیہ'' پر نظر گاڑے بیٹھا ہے کہ آزادی کی خواہش مند عدلیہ اپنی کامیابی کے بعد آئین پاکستان میں درج شدہ قرآن وسنت کی برتری کو عملاً کس حد تک بروئے کار لاتی ہے۔انسانی انصاف، مظلوم کی دادرسی کا لفظی احاطہ مکمل کر لیتا ہے لیکن اسلامی انصاف جو ہمارے آئین میں قرآن وسنت کی برتری کے نام سے شامل ہے۔اس کے تقاضے اور حدود شائد اس سے وسیع ہیں، مثلاً:

⦿......مسلمان حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنی حدود مملکت میں شرک ختم کرے کہ خالق کائنات سے عدل بندے سے اس کا تقاضا کرتا ہے۔

⦿......اسلام نے حکمران کو دنیا میں حاکم نہیں اللہ کا خلیفہ قرار دیا ہے۔جس کو اللہ کی مخلوق کی بنیادی ضروریات (خوراک، لباس، علاج)، امن اور انصاف مہیا کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے۔لیکن اس کی نگرانی اور خلیفہ کو راہِ راست پر رکھنے کی ذمہ داری قاضی اور منصف کی رکھی ہے۔اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ وقت کے قاضی نے جب خلیفہ وقت کو عدالت میں طلب کیا خلیفہ حاضر ہوا اور حاضر بھی بحیثیت رعایا کے ہوا۔اگر کسی قاضی نے احتراماً خلیفہ کے مقام وادب کا لحاظ رکھا بھی تو خلیفہ نے قاضی کے اس رعایت دینے کو منصب عدل کے منافی سمجھ کر اس کو توجہ دلائی اور کوئی پروٹوکول قبول نہیں کیا۔کیا خوش فہمی کی عادی ہماری قوم اپنے ججوں اور منصفین سے یہ حسن ظن رکھ سکتی ہے؟

⦿......ہمارے عالی مرتبت جج حضرات کیا اسلام کے قانون حلال وحرام کو جاری کرتے ہوئے سود، مارک اپ انشورنس اور لیز وغیرہ کی جملہ اقسام پر قدغن لگانے کی جرأتِ مومنانہ فرما سکیں گے؟

⦿......انصاف کا مدار گواہی پر ہوتا ہے مرحوم جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی قانون شہادت پر بہت حد تک تحقیقی وتصنیفی کام ہوا تھا۔غالباً جناب عبدالمالک عرفانی نے اس موضوع پر کچھ کتب بھی تصنیف کی تھیں چوں کہ برٹش لاء...... جو آج کل ہمارے قانون کا ماخذ ہے......کو نہ یہ قانون شہادت ''وارے'' آنا تھا اور ہمارے معاشرے کا ہضم کرنا بھی اس کو مشکل تھا اس لیے اس کے نفاذ کی کوشش پیہم کی ہی نہیں گئی اس لیے وہ بھی حوادث زمانہ کی باد سموم میں گم ہو چکا ہے۔آزاد عدلیہ اسلامی قانون شہادت ہی کو اہل علم......علماء وقانون دان......کی مشاورت سے رائج بلکہ نافذ کر دے تو اس سے دین، دنیا، وطن، قوم اور افراد کا حقیقی بھلا ہو جائے گا۔

⦿......قرآنِ حکیم کے متعدد مقامات میں کافروں سے رازداری، دوستی اور ان پر اعتماد سے منع فرمایا گیا ہے۔کیا آزاد عدلیہ ہمارے حکمرانوں کو کفار سے دوستی اور رازداری سے ممانعت کا حکم جاری کر کے ان کو اس دائرے میں محدود کر سکتی ہے۔کیوں کہ یہ قرآنِ کریم کا حکم ہے اور ہمارے آئین میں قرآن

وسنت کو سب سے برتر قانون تسلیم کیا گیا ہے۔

⦿......کیا آزاد عدلیہ فحش و منکرات کی اشاعت، اس کے پھیلاؤ، اس کی ترغیبات اور حوصلہ افزائیوں پر گرفت کرنے کی قوت رکھتی ہے؟

⦿......اسلام کے حدود وتعزیرات کا قانون ایسا بابرکت ہے کہ جہاں اس کا نفاذ ہوا وہاں جرم نہ ہونے کے برابر رہ گئے اس دور میں بھی اس کی روشن مثال المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ہے۔ کیا حدود وتعزیرات کے نفاذ کے لیے یہ جج اپنے حکم رانوں یا اراکین پارلیمنٹ پر دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ جو قانون شہادت رائج ہونے کے بعد ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

⦿......جن مقدمات کے متوقع فیصلہ جات کے خوف سے حکم رانوں نے انھیں معطل کیا تھا کیا اب وہ انصاف کا بول بالا کرنے اور ملک وقوم کے مفاد کے لیے ان مقدمات کو نپٹا سکیں گے؟ خصوصاً این، آر، او، سابق صدر پرویز مشرف، فاٹا، لال مسجد کیس اور لاپتا افراد کی بازیابی جیسے مقدمات، جن کے لیے وکلاء اور عوام نے دو سال کشت اور انتظار میں گزارے ہیں۔

مذکورہ بالا چند پہلو اس لیے نوکِ قلم پر آ گئے کہ اب ذمہ داری کہہ لیں یا آزمائش کہ یہ عالی مرتبت چیف جسٹس صاحب اور ان کے رفقاء پر آن پڑی ہے، ہم خلوصِ دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس سے عہدہ برآ ہونے، انصاف کو اعلیٰ اور اونچا کرنے کی توفیق دے۔

زود فراموشی:

لانگ مارچ یا عدلیہ کی بحالی میں جناب میاں محمد نواز شریف کامیاب تو ہو گئے۔ اگر چہ لانگ مارچ میں ان کی شرکت چشم یار کی شہہ پا کر تھی یا ع جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا، کا مصداق تھی تاہم اس مرتبہ اپنی منزل......G.P.O......تک پہنچنے میں ان کی حکمت عملی کامیاب اس لیے رہی کہ شاید انھوں نے اپنے روٹ کو آؤٹ نہیں کیا تھا یعنی اپنا راز کسی کو نہیں دیا تھا، جس سے ان کو یہ بات سمجھ آ جانا چاہیے کہ ذاتی اور کاروباری رازوں کی طرح جب تک مملکتی راز آؤٹ ہونے کا سلسلہ مکمل بند نہ ہوگا کسی بھی مرحلہ پر کسی بھی حکومت کو کامیابی ملنی ممکن نہیں ہوتی۔ بقول غیر جانبدار احباب......اس کامیابی کا ثمر......پنجاب حکومت کی بحالی......تو شاید انھیں ملنے ہی والا ہے اور باقی ثمرات؟ ع وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ، والی بات نظر آ رہی ہے۔

میاں صاحبان کے احترامات فائقہ کے باوجود پاکستان میں ان کے ''نزول'' سے اب تک کی سیاست ان کی تمام ممکنہ نیک نیتیوں کے باوجود ''ان کی بزم سے آئے ہوئے......اقتدار کے......جام میں ساقی کے ہاں سے کچھ نہ کچھ ملا ہوا لگتا ہے۔ اس لیے کہ میاں صاحب کے سیاسی وانتخابی نعروں میں جمہوریت کی واپسی، عدلیہ کی بحالی، گم شدہ افراد کی بازیابی، کرپشن کا نہ صرف خاتمہ بلکہ لوٹی اور ہضم کی ہوئی قومی دولت کی واپسی جیسے اہم نعرے تھے جس پر یقین کر کے پسے ہوئے عوام نے ان کو ووٹ دیا اور ان پر اعتماد کیا۔ پنجاب حکومت جب ان کو مل گئی تو سمجھا جانے لگا کہ اب میاں صاحب کی ''جمہوریت'' تو ان کو مل گئی۔ محسوس یہ کیا گیا کہ نااہلی کے فیصلے نے ان کو لانگ مارچ اور دھرنے میں دھکیل دیا تھا۔ ظاہر بات کہ اس وقت تو ان کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور زبانیں آتش بیاں تھیں۔ لانگ مارچ اور دھرنے میں شرکت کے لیے ان کا قافلہ ابھی گوجراں والا ہی پہنچ پایا کہ ستے ای خیراں ہوگیاں یعنی عدلیہ کی بحالی کا وعدہ بھی ہو گیا اور پنجاب حکومت کی بحالی کی امید بھی دلا دی گئی۔ (جسے ہم گزشتہ شمارے میں حکومت کی دانائی کہہ چکے ہیں وہ واقعی دانائی تھی) جس سے غیر مرئی خدشات کا ایک طوفان ٹل گیا بلکہ ختم ہو گیا۔ حکومت نے ان وعدوں پر عمل درآمد کی ابتدا کر دی ہے جو ایک اچھی بات ہے کہ قرآن وحدیث نہ ہونے کے باوجود اب وعدے ایفا کیے جانے لگے ہیں۔ لیکن اس کے بعد این، آر، او، فاٹا اور گم شدہ افراد کی بازیابی کے نعرے......میاں صاحبان کی طرف سے......یا وعدے دھیمے ہوتے ہوئے میڈیا سے غائب ہی ہو چکے ہیں۔ میاں صاحبان کے نیازمند اور خیر خواہوں کو اس زود فراموشی کی ان سے توقع بالکل نہ تھی۔ میاں صاحبان کی خدمت خلق، انسانی ہمدردی وخدمت گزاری میں کوئی شک نہیں لیکن ان کے انتخابی وعدوں میں مذکورہ بالا اہم وعدوں کی تکمیل کے عوام شدت سے منتظر ہیں۔ بعض من چلے میاں صاحب کی کامیابیوں پر جگر مرحوم کا بہ تصرف یہ شعر بھی پڑھتے ہیں۔

پس پردہ چشم یار کی شہہ پا کے ''جیت'' گیا ''جیتا'' بغیر اذن کے کب تھی مری مجال

(۱)......کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنا (۲)......کرسی پر صف بندی کیونکر ہو؟ (۳)......نمازی کے آگے سے گزرنا
(۴)......بازاری سترے کی حیثیت (۵)......اونٹ کے برابر ثواب (۶)جمعہ کے لیے کتنی دیر پہلے آئے؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ خان المدنی

سوال: آج کل مساجد میں کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنے کا رجحان ہورہا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ قیام کی حالت میں کھڑا ہوا جاسکتا ہے صرف سجدہ اور قعدہ کی حالت میں تکلیف ہے۔ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہے کہ تمام نماز کرسی پر بیٹھ کرادا کی جائے۔ ایک مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کھڑے ہوکر قیام پر قادر ہے تو کھڑے ہونا فرض ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

جواب: حتی المقدور نماز کھڑے ہوکرادا کرنی چاہیے سجدہ اور قعدہ میں جیسے بیٹھ سکتا ہے بیٹھ جائے۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**

سوال: کرسی استعمال کرنے کی حالت میں اگر کھڑا ہوکر قیام کرے تو کرسی کا پچھلا حصہ ہی صف کی سیدھ میں ہوتا ہے اور نمازی کو صف سے آگے کھڑا ہونا پڑھتا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اس طرح قیام کرنے والے نمازی کو بیٹھنے کا حکم دیا کہ نمازی کا صف کی سیدھ میں ہونا واجب ہے۔ایسی صورت میں نمازی کیا کرے؟

جواب: کوشش کرنی چاہیے کہ صف بندی میں خلل واقع نہ ہو معمولی خلل کا کوئی حرج نہیں۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم ۔ایسی صورت میں قیام کرنا چاہیے کیوں کہ قیام کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔لیکن اصل یہ ہے کہ مریض کرسی کے بجائے زمین پر بیٹھ کرنماز پڑھے احادیث سے یہ ثابت شدہ شکل ہے بیٹھنے میں جو صورت اختیار کرسکتا ہے کرلے اس میں وسعت ہے۔کرسیوں پر بیٹھ کرنماز پڑھنے کی رسم ختم کردینی چاہیے ساری خیر اسی میں ہے۔

سوال: نمازی کے آگے سے کتنے فاصلے سے گزرا جاسکتا ہے؟ جب کہ سترہ نہ ہو۔

جواب: مسئلہ ہذا میں اہل علم کا اختلاف ہے ظاہر یہ ہے کہ خشوع سے نماز پڑھنے والے کی نظر گزرنے والے پر نہ پڑے اس قدر فاصلہ سے گزرا جاسکتا ہے۔

صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں:

ارجح الاقوال فی ذلك عندی انه قدر ما یقع بصره علی المار لوصلی بخشوع ای رامیا ببصره الی موضع سجود من غیر تفصیل بین المسجد وغیرہ ۔ واللہ اعلم [۱/ ۵۰۹]

سوال: آج کل مساجد میں بازار سے بنے بنائے سترے نظر آتے ہیں۔اِن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ستروں کا بازاری عمل سلف کے ہاں معمول بہا نہ تھا بلکہ جو چیز میسر آتی سترہ بنا لیتے تھے۔ ویسے بھی سترے کی مقدار میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

سوال: کیا ایسا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ مسجد میں قرآن کی ایک آیت پڑھنا ایک اونٹ کے برابر ہے؟

جواب: ہاں اس موضوع کی روایات صحیح مسلم میں ہیں۔

سوال: حدیث میں جمعہ کے لیے جلدی جانے کی جن ساعات کا ذکر ہے،ان میں پہلی ساعت کب شروع ہوتی ہے؟ جزاک اللہ خیراً

[عثمان بھٹہ،لاہور]

جواب: راجح قول کے مطابق پہلی گھڑی چاشت کے وقت سے لے کر ہے۔علامہ ابن قیم نے الہدیٰ میں فرمایا ہے: راجح قول یہ ہے کہ پہلی گھڑی کا آغاز شروع دن سے ہوجاتا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مرعاۃ المفاتیح:۲/۲۹۴



قــرآن کــی آواز ســـنــو!

المرسل: حافظ محمد مرتضٰی ساجد

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفٰی۔

اما بعد! اعوذ بالله من الشیطن الرجیم۔

قرآنِ کریم آخری آسمانی کتاب اور انسانیت کے نام اللہ کا آخری پیغام ہے اوراس لحاظ سے قیامت تک کے لیے آنے والی انسانی نسلوں کی اخروی سعادت ونجات اور دنیاوی اصلاح وفلاح اِسی سے متعلق وابستہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ تمام انسانوں کی دینی ودنیوی کامیابی اور انسانیت کی تقدیر اس عظیم کتاب سے وابستہ ہے۔ اسی لیے اس کی شرح وتفسیر، اِس کے معنی ومطالب کا افہام وتفہیم اور اِس کے ابدی پیغام کی طرف دعوت اوراس کی تبلیغ ایک دائمی ضرورت ہے۔

قرآنِ مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ [یوسف:۲]

''بے شک ہم نے اُسے قرآن بنا کر عربی زبان میں اتارا ہے۔ تاکہ تم لوگ اسے سمجھو۔''

دنیا میں شاید عربی ہی ایک ایسی (مظلوم) زبان ہے جو ترجمہ ومعانی کے بغیر پڑھائی جاتی ہے۔ بچہ جب پہلی کلاس سے انگریزی پڑھنا شروع کرتا ہے تو استاد اُسے بتلاتا ہے کہ "Apple" بمعنی ''سیب'' ہے۔ اِسی طرح فارسی پڑھنے والے بچے کو ''آب اور است'' ہی نہیں پڑھایا جاتا بلکہ یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ آب بمعنی پانی اور است بمعنی ''ہے'' لیکن جو بچے عربی پڑھتے ہیں۔ انھیں صرف الفاظ ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ الفاظ کے معنی کا خیال کسی کو بھول کر بھی نہیں آتا۔

میرے محسنو! غور کرو قرآن مجید کی آواز پر

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾

''اِس آیت کو اِسی سورۃ میں چار مرتبہ دہرایا ہے۔ اور یقیناً ہم نے قرآنِ مجید کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔'' [القمر:۱۷]

اللہ تعالیٰ لوگوں کی تربیت کے لیے سوال کر رہے ہیں۔ اگلی سورۃ میں فرمایا:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴾ [الرحمن:۱،۲]

''نہایت مہربان ہے۔ جس نے قرآن سکھا۔''

میرے دوستو! ہماری قومی زبان اُردو ہے۔ ہمارے لیے تو قرآنِ مجید کو سمجھنا آسان ترین ہے۔ اُردو کے 65% الفاظ عربی کے ہیں جو ہم عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ 20% کو آسانی سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ 15% سیکھنے سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک قرآنِ حکیم میں 98% الفاظ وہ ہیں جو اُردو زبان میں بھی عام استعمال ہوتے ہیں۔ جب کہ 1.5% عربی کے الفاظ وہ ہیں جو بار، بار آتے ہیں اور خود بخود یاد ہوجاتے ہیں۔ اور صرف 0.5% عربی کے الفاظ ایسے جن کو آپ نے یاد رکھنا ہوتا ہے۔ ہماری تعلیم وتربیت کے لیے اللہ لوگوں سے سوال کر رہا ہے۔

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان لوگوں کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔'' [محمد:۲۴]

لوگو! اپنے دلوں کے تالے کھولو۔ تمام رسول لوگوں کو اللہ کا پیغام سمجھانے کے لیے تشریف لائے۔ فرمایا:

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾

''اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا تو وہ اپنی قوم کی زبان جاننے والا ہوتا تھا۔ تاکہ وہ (دین کی باتیں) ان کے لیے کھول کر بیان کرے۔'' [ابراھیم:٤]

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [النحل:٦٤]

''ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرر ہے ہیں ان کے بارے آپ اُن پر (حقیقت) واضح کر دیں۔ یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت (بھی) ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [الانبیاء:١٠]

''لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾

''ایسی کتاب جس کی آیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ عربی زبان میں ہے اور اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ یہ بشارت دینے والی اور ڈرانے والی ہے۔ مگر اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور اسے سنتے ہی نہیں۔'' [حم السجدۃ: ٣، ٤]

اللہ کی رحمت سے کن کے لیے دوری ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾ [البقرۃ: ١٥٩]

''جو لوگ ہمارے نازل کردہ واضح دلائل اور ہدایت کی باتیں چھپاتے ہیں۔ جب کہ ہم انھیں اپنی کتاب میں سب لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر چکے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔''

قیامت کے دن محمد ﷺ اللہ کے سامنے شکایت کریں گے:

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ [الفرقان: ٣٠]

''اور رسول کہیں گے۔ پروردگار! میری قوم کے یہی لوگ ہیں۔ جنھوں نے اِس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا رکھا تھا۔ یعنی متروک العمل بنا دیا۔''

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ [الجمعۃ:٥]

''جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا پھر انھوں نے یہ بار نہ اٹھایا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔''

(اس سے بھی) بری مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وحی کا علم چھوڑ کر صرف مشاہداتی اور تجرباتی علوم سیکھنے والوں کے لیے لمحہ فکر یہ ہے فرمایا:

﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴾ [المدثر: ٤٩ تا ٥١]

''پھر انھیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ جیسے وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں۔ جو شیر (کے ڈر) سے بھاگ کھڑے ہوں۔''

اللہ ہم سب کو قرآن وسنت کا حقیقی عالم بنائے، آمین۔ فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الاعراف:٣]

''لوگو! جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ تھوڑے ہی تم نصیحت مانتے ہو۔''

﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ [المرسلات:٥٠]

''پھر اس کلام (قرآن) کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے۔''

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر:٩]

''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [البقرۃ:٢]

''یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔''

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [آلِ عمران:۱۰۳]

''اور اللہ کی رسی (قرآن وسنت) کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

سورۂ واقعہ میں قرآن کی عظمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ [الواقعه: ۸۱،۸۲]

''پھر کیا اس کلام سے تم مداہنت کررہے ہو۔ اس میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے رہو۔''

میرے بھائیو! ایسی بے شمار قرآنی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ انسان کو فرمارہا ہے کہ

میرے پیغام کو غور وفکر سے پڑھو۔ لیکن انسان بغیر غور وفکر کے پڑھ کر کیا اللہ کی نافرمانی نہیں کررہا؟ فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾

''جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی ایسی تلاوت کرتے ہیں۔ جیسی ہونی چاہیے وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں جو لوگ اِس کا انکار کریں گے وہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔'' [البقرة:۱۲۱]

قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کے معنی خود قرآنِ کریم سے اور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مطہرہ سے کرے۔ نہ تفرقہ بازی رہے گی نہ باہمی اور عالمی قتل وغارت کا وجود رہے گا۔ جزوی طور پر اطاعت کرنے والوں کا انجام:

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [البقرة:۸۵]

''کیا تم لوگ اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا۔ اس کا بدلہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب کی طرف اُن کا رخ موڑ دیا جائے گا۔ اللہ تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔''

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر
[اقبال]

قرآنِ مجید پر عمل کرنے سے ہی قوموں کو عزت مل سکتی ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ اسی کتاب کے ذریعے قوموں کو بلند کرتا ہے اور اس کی وجہ سے قوموں کو پست کرتا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ انھیں دنیا وآخرت میں سربلندی وسرفرازی ملتی ہے۔ جو لوگ قرآنِ مجید کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار کردیتے ہیں۔ پستی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ نیز نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے۔ [الحدیث نبوی، رواہ البخاری]

میرے دوستو! میری آخری اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ قرآن کے معنی مادری زبان میں اللہ کا پیغام پڑھ رہے ہیں۔ ہمت کریں، قرآن خود سمجھیں۔ دوسروں کو سمجھائیں، خود یاد کریں، دوسروں کو یاد کروائیں، خود عمل کریں، دوسروں کو عمل کروائیں۔ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول اپنی پہلی اور آخری پہچان بنائیں۔ قول وفعل کے تضاد سے بچیں، دوسروں کو بچائیں خود اس دنیا میں محکومی ومحتاجی، ذلت ورسوائی سے بچیں، دوسروں کو بچائیں۔ خود اہل جنت بنیں دوسروں کے اہل جنت بننے کا ذریعہ بنیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار



رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ انسانیت کے لیے ایک گراں قدر تحفہ

''تصورِ وحدتِ دین ودنیا''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

معاصر روزنامہ نوائے وقت (۸۔فروری ۲۰۰۹ء) کے میگزین میں جناب ڈاکٹر محمد احمد حامی صاحب کا ایک مضمون ''سائنسی انکشافات کا مطالعہ اسلامی نقطہ نظر سے'' شائع ہوا ہے۔اس میں انھوں نے مسلمانوں کے زوال کا سبب ''رجعت پسندی'' قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

''ان ماضی پرستوں کے غلبے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان میں کوئی ایسا ''دیدہ ور'' پیدا نہ ہوا جو علوم ظاہری میں سر کردہ ہوتا۔آگے چل کر کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں میں ایسے دانشور موجود ہیں جو کائنات کو خدا کا فعل جان کر اس کے مطالعہ اور علوم نو کی روشنی میں تحقیقات کی تحریک کرتے ہیں۔وحی کے ذریعے نازل ہونے والے علم اور اسوۂ رسول کو انسانوں کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا لائحہ عمل سمجھتے ہیں۔مذہبی اور طبیعاتی مطالعہ کو دو الگ الگ میدان گردانتے ہیں۔اس لیے ان کے نزدیک کسی تقابل یا تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' الخ

اس تحریر میں موصوف نے اسوۂ رسول ﷺ کو صرف ''اخلاقی اور روحانی ترقی'' کا مصدر قرار دیا ہے۔جو خلافِ حقیقت اور خلافِ تحقیق ہے۔جب کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اور قرآنِ کریم دین و دنیا دونوں میں ہر طرح کی ترقی کا داعی اور اس کا زینہ ہے۔

دوسرے ''مذہبی اور طبیعاتی مطالعہ'' کو دو الگ الگ میدان ہونے کی تصدیق کی ہے۔یہ بھی خلافِ حقیقت ہے۔اگر قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں کوئی دوئی نظر نہیں آتی۔اس بات کو جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک خطاب میں موضوع گفتگو بنایا، جو ان کی ایک بہترین کتاب سیرت ''نبی رحمت'' میں ''وما ارسلناک رحمۃ للعالمین'' کے عنوان سے مطبوع ہے۔اور موضوع کی مناسبت سے ایک اہم حصہ ہم وہیں سے لے کر ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ [مولانا عمر فاروق سعیدی]

نبوت محمدی کا عظیم معجزہ اور گراں قدر تحفہ:

دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں ''نزاع لفظی'' ہے۔انسان کے اعمال واخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنی کیفیت عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں ''نیت'' کے ایک مفرد وسادہ لیکن نہایت بلیغ وعمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے۔اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ''دنیا'' ہے، اور نہ کوئی چیز ''دین''۔اس کے نزدیک خدا کی رضا کی طلب، اخلاص، اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ وارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی وعائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور خالص دین بن جاتی ہے۔اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت، اور دینی کام جو رضائے الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتی کہ فرض عبادتیں، ہجرت وجہاد، قربانی وسرفروشی اور ذکر وتسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں (دین و دنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں (اہل دین اور اہل دنیا) میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے، اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم

اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے۔ ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرنی ہو۔ اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلانِ جنگ کرنا ضروری تھا۔ کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا۔ معاشی جدوجہد، غفلت وخدا فراموشی کے بغیر حکومت وسلطنت دینی واخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کیے اور خوفِ خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دین دار بننا تارک الدنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت وحکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لیے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لیے ''دین'' کے بجائے ''دنیا'' کا انتخاب کیا اور انھوں نے اس پر اپنے کو مطمئن وراضی کرلیا۔ وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہوکر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں مشغول ہوگئی۔

دین ودنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلّم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیر باد کہا، سیاست وریاست نے مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کرلیا۔ انسان ''بیل بے زنجیر'' اور معاشرہ ''شتر بے مہار'' ہوکر رہ گیا۔ دین ودنیا کی اس دوئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب واخلاق کے اثر کو محدود وکمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت ورحمت سے محروم کردیا، بلکہ اس الحاد ولا دینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا۔ پھر دنیا کی دوسری قومیں جو یورپ کے فکری، عملی، یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے کم وبیش متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورتِ حال جس میں مذہب واخلاق کا زوال، اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی ہے، اسی دین ودنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لیے عظیم ترین تحفہ اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا مظہر ہے کہ آپ کامل طور پر رسولِ وحدت ہیں، اور بہ یک وقت ''بشیر'' و ''نذیر'' ہیں۔ آپ ﷺ نے دین ودنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کرکے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کردیا۔ دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصولِ رضائے الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کردیا، یہاں لباس دنیا میں درویش، قبائے شاہی میں فقیر وزاہد، سیف وتسبیح کے جامع رات کے عبادت گزار اور دن کے شہ سوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزلِ مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لیے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لیے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوتِ عمل صرف ہورہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبہ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہوجائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کا پروازِ تخیل، نقش ونگار، رنگ وآہنگ، لذت وذائقہ اور بلبل وطاؤس، یا چوپایہ وحیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے دولت مندوں، طاقت وروں اور سرکار دربار کی خدمت وخوشامد یا بے مقصد ادب وشاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہورہی تھی۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کردی۔ آپ ﷺ نے یہ بات دل پر نقش کردی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت، اس کی ذات وصفات اور اس کی قدرت وحکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت وعظمت، لامحدودیت کی

دریافت، ایمان ویقین کا حصول، خدا کی محبت ومحبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہوجانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور دریافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمالِ آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار وقربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال وترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسانوں کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہوجاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، اور درودیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی کے بعد قلوب میں نئی حرارت دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ہر ملک اور قوم کی طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔

عرب وعجم، مصر وشام، ترکستان اور ایران، عراق وخراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ وتذکرے کی کتابیں پڑھیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا۔ شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدا مست، عالی ہمت، عارف کامل، داعی حق اور خادم خلق، انسان دوست ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں۔ جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انھوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیں، عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم وفنون کے دریا بہا دیئے، علم ومعرفت کی محبت کی جوت جگادی اور جہالت ووحشت، ظلم وعداوت سے نفرت پیدا کردی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے انسانوں کو گلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپہ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے، اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ ان کی کثرت (کمیت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھئے ان کی ذہنی پرواز، ان کی روح کی لطافت اور ذکاوت اور ان کے ذوق سلیم کے واقعات پڑھیے، انسانوں کے لیے کس طرح ان کا دل روتا، اور ان کے غم میں گھلتا، کس طرح ان کی روح سلگتی تھی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے لیے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے۔ ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکوموں میں اطاعت وتعاون کا کس قدر جذبہ تھا۔ ان کے ذوقِ عبادت، ان کی قوت دعا، ان کے زہد وفقر، جذبہ خدمت اور مکارمِ اخلاق کے واقعات پڑھیے۔ نفس کے ساتھ ان کا انصاف اپنا احتساب، کمزوروں پر شفقت، دوست پروری، دشمن نوازی، ہمدردی خلائق کے نمونے دیکھئے، بعض اوقات شاعروں اور ادیبوں کی قوت متخیلہ بھی ان بلندیوں تک نہیں پہنچتی، جہاں وہ اپنے جسم وعمل کے ساتھ پہنچے اگر تاریخ کی مستند اور متواتر شہادت نہ ہوتی تو یہ واقعات قصے کہانیاں اور افسانے معلوم ہوتے۔

یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپ کی ''رحمۃ للعالمینی'' کا کرشمہ ہے۔ **صدق الله العظيم**

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الانبياء: ١٠٧]



خطبہ جمعۃ المبارک

دارالاصلاح السّلفیہ باغبان پورہ لاہور کے زیر اہتمام مسجد تقویٰ کالا شاہ کاکو میں مستقل خطبہ جمعہ قاری عبدالجبار دیا کریں گے۔

[حافظ عبدالرحمان نعیم]

کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟ 8

مولانا ارشاد الحق اثری

تیسری روایت:

قاضی صاحب ہی امام ابوحنیفہ سے بواسطہ ''الھیثم عن ابی قحافۃ'' بیان کرتے ہیں:

" أنه أتي به النبي صلى الله عليه وسلم ولحيته قد انتشرت فقال: لو أخذتم، وأشار بيده إلى نواحي لحيته." [الآثار، ص: ۲۳٤، رقم: ۱۰۳۸]

''کہ انھیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، ان کی ڈاڑھی منتشر تھی تو آپ نے فرمایا: کاش تم اس کو کاٹتے، اور آپ نے ڈاڑھی کے جوانب کی طرف اشارہ کیا۔''

مولانا ابوالوفاء افغانی نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ روایت بھی سنداً ومتناً غور طلب ہے۔ الھیثم، امام ابوحنیفہ کے استاد الھیثم بن ابی الھیثم ہیں۔ ابوالھیثم کا نام حبیب تھا۔ [تہذیب التہذیب، ج:۱۱، ص:۹۱] میں ان کا تذکرہ موجود ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ تابعین سے وہ روایت کرتے ہیں۔ اور الایثار ص:۲۷ میں حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ وہ اتباع التابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ یہ روایت حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ [سبحان اللہ]

یہی روایت علامہ الحارثی نے مسند ابی حنیفہ [ص:۳۵۹ مترجم] میں اور انہی کے واسطہ سے علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید [ج:۲، ص:۳۰۹] میں ''عن الهيثم عن رجل أن أبا قحافة'' سے بیان کی ہے۔ مگر یہ ''رجل'' بھی مجہول، ھیثم تبع تابعی ہیں۔ اس لیے یہ ''رجل'' بہرحال صحابی تو نہیں، اس لیے سند میں کم سے کم دو واسطے ساقط ہیں۔

رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر کاٹ چھانٹ کا حکم فرمایا تو یہ بھی اسی بے سند روایت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ صحیح روایات میں تو سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی سفیدی اور انھیں بس رنگنے کا ذکر ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی بے اصل ہونے کے علاوہ صحیح روایات کے تناظر میں منکر ہے۔

چوتھی حدیث:

قاضی ابویوسف، امام صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

" بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على أم سلمة وهي تسبح بنواتها فقام عليها هنيئة ثم قال لها لقد قلت كلمات لهن أكثر مما قلت ثم أخبرها أنه قال: سبحان الله عدد خلقه، سبحان الله زنة عرشه، سبحان الله مداد كلماته." [الاثار، رقم: ۲۱۷، ص: ٤۲]

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، وہ اپنی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر وہاں رُکے، پھر ان سے فرمایا: میں نے کچھ کلمات کہے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں جو کچھ تم نے پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں بتلایا کہ میں نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔ **سبحان الله عدد خلقه** ۔'' الخ

یہ روایت اصولِ حدیث کی اصطلاح میں امام صاحب کی بلاغات میں سے ہے۔ مگر یہاں چند باتیں غور طلب ہیں۔

① ...... بتلایا گیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیش

آیا۔ جب کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ یہ حضرت جویریہ ؓ بنت الحارث کے ہاں پیش آیا مگر اس میں گٹھلیوں کا ذکر نہیں۔ مستدرک حاکم، طبرانی اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ یہ حضرت صفیہ ؓ سے پیش آیا، اس میں گٹھلیوں کا ذکر ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے ہاں گئے، اس میں نام کا ذکر نہیں اور اس میں بھی گٹھلیوں کا ذکر ہے مگر سند اس کی بھی محل نظر ہے۔

ہمیں یہاں ان روایات کی اسنادی پوزیشن مطلوب نہیں، صرف یہ دیکھنا ہے کہ مسند روایات میں سے صحیح روایت میں حضرت جویریہ ؓ کا یہ واقعہ ہے ایک میں حضرت صفیہ ؓ کا اور دوسری میں ایک عورت کا۔ کسی مسند روایت میں، گو وہ ضعیف سند سے ہی کیوں نہ ہو، حضرت ام سلمہ کا نام نہیں آیا۔ اس لیے الآثار کی یہ روایت معلق ہونے کے علاوہ اس میں حضرت امّ سلمہ ؓ کا ذکر منکر ہے۔ اسے تعدد واقعہ پر محمول کرنا بھی عبث ہے اس لیے کہ جب یہ سنداً صحیح ثابت ہی نہیں تو تعدد کیسا؟

پانچویں روایت:

امام محمد، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

" حدثنا شیخ لنا یرفعه إلی النبی صلی الله علیه وسلم أنه نهی عن تربیع القبور وتجصیصها ـ"

[الآثار، رقم: ۲۵۷، ص: ۵۲]

''ہمارے ایک شیخ نے ہمیں حدیث بیان کی رسول اللہ ﷺ نے منع کیا کہ قبر کو چوکور بنایا جائے اسے چونا گچ کیا جائے۔''

یہ روایت معلق ہونے کے علاوہ ''شیخ'' مبہم ومجہول سے ہے اور مولانا ابوالوفاء افغانی نے بھی اعتراف کیا ہے: ''لم أظفر باسناده فی کتب الحدیث'' کہ کتب حدیث میں اس کی سند پانے میں، میں کامیاب نہیں ہوا۔ [حاشیہ کتاب الآثار، ج:۲، ص:۲۰۱]

سند کیا یہ متن بھی ان الفاظ سے غریب ہے۔ البتہ تجصیص کی ممانعت دیگر احادیث سے ثابت ہے اور قبروں پر عمارت بنانا بھی ممنوع ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر ؓ سے روایت ہے۔ مگر الآثار میں جو الفاظ آئے ہیں۔ اس کا ثبوت بہر حال محل بحث ہے۔

چھٹی روایت:

امام محمد ؒ ہی نے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

" حدثنا شیخ لنا یرفعه إلی النبی صلی الله علیه وسلم قال: ارحموا الضعیفین المرأة والصبی ـ"

[الآثار، رقم: ۹۱۳، ص: ۲۰۰]

''ہمیں ہمارے ایک شیخ نے حدیث بیان کی اور وہ اسے نبی ﷺ سے مرفوع بیان کرتے تھے کہ دو کمزوروں پر رحم کرو، عورت اور بچہ۔''

یہ روایت بھی معلق ہے اور امام صاحب کے شیخ کا نام نہیں ہے۔ علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید [ج:۱، ص:۹۰] میں بھی اسے کتاب الآثار سے نقل کیا ہے۔ مگر اس کی سند کیا ہے؟ اور یہ متن بھی، امام صاحب کے علاوہ ہی سہی، کسی اور سند سے کتب احادیث میں پایا جاتا ہے؟

" انی أحرج علیکم حق الضعیفین الیتیم والمرأة"

کے الفاظ سے حدیث تو ابن ماجہ، مسند امام احمد، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے۔ شیخ البانی نے گو اسے الصحیحہ، رقم: ۱۰۵۰ میں ذکر کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ ابن عجلان مدلس مختلط ہونے کے علاوہ سعید عن ابی ہریرة سے اس کی روایات بالخصوص تخلیط کا شکار ہیں۔ اور یہ بھی ''سعید عن ابی ہریرة'' سے ہے۔ پھر اس میں یتیم اور عورت کے حقوق اور مال میں گھپلے کی حرمت کا بیان ہے مگر کتاب الآثار کی روایت میں بچے اور عورت پر رحم کا حکم ہے۔ دونوں میں فرق واضح ہے۔

ہم انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں جن سے یہ اندازہ مشکل نہیں رہتا کہ کتاب الآثار کی روایات کی پوزیشن کیا ہے۔ بلاشبہ اس میں

ثقہ راویوں سے بھی روایات ہیں مگر انہی کی بنیاد پر اس میں جو کذاب، متروک، ضعیف، مجہول اور مبہم راویوں سے روایات ہیں انہیں صحیح باور کرانا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ ان کے علاوہ اس کی مراسیل و منقطع روایات، مدلس اور مختلط راویوں کی احادیث اس پر مستزاد ہیں۔

نعمانی صاحب کا ایک اور دعویٰ:

مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

''کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث احکام یعنی سنن ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے۔'' الخ

[ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۶۹]

بڑی خوب صورت بات ہے جو انھوں نے فرمائی مگر افسوس کہ یہ بھی ان کے دیگر دعاوی کی طرح صحیح ثابت نہیں ہو پائی کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار، جسے وہ امام صاحب کی کتاب الآثار کا نسخہ قرار دیتے ہیں، میں تو بہت سی احادیث کا تعلق احکام اور سنن سے قطعاً نہیں۔ مولانا ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ نے اس کی جو فہرست موضوعات کے مطابق بنائی ہے اگر نعمانی مرحوم ایک نظر اسے ہی دیکھ لیتے تو یہ بوگس دعویٰ قطعاً نہ کرتے۔ چناں چہ مولانا افغانی مرحوم نے کتاب الایمان کے تحت اکیس، کتاب العلم کے تحت دس، کتاب الآداب کے تحت پچیس، کتاب الفتن کے تحت تیرہ، کتاب شمائل النبی کے تحت سولہ، کتاب المناقب میں ستائیس، احادیث وآثار ذکر کیے ہیں۔ یوں کتاب الآثار کی کل روایات ۱۰۶۷ میں سے ۱۱۳ روایات کا تعلق احکام وسنن سے قطعاً نہیں۔

اسی طرح کتاب الآثار امام محمد میں باب الجهاد في سبيل الله، باب فضائل الصحابه، باب الصدق والكذب والغيبة والبهتان، باب تقييد العلم، باب ليلة القدر، باب من عمل عملاً ألبسه الله رداء ه، وارحموا الضعيفين، باب من دل على خير كمن فعله، باب الزهد، باب الرفق والحزق، باب الرقية من العين بھی کیا احکام اور سنن سے متعلق ہیں۔ نعمانی صاحب تو کتاب الآثار پر تخصص کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان ابواب کو دیکھتے ہوئے بھی وہ کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث احکام یعنی سنن قرار دینے پر بے جا اصرار فرماتے ہیں۔

کتاب الآثار کیا چالیس ہزار احادیث کا انتخاب ہے:

مولانا نعمانی رقم طراز ہیں:

اسناد وروایات کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر ان کو روایت کیا ہے۔ صدر الائمہ موفق مکی تحریر فرماتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔''

[ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۶۴]

اولاً تو موفق مکی کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ثانیاً چالیس ہزار احادیث سے منتخب روایات کا جائزہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے، اس تناظر میں تو یہ دعویٰ محض دیوانے کی بڑھ کے مترادف ہے۔ ثالثاً خود نعمانی صاحب نے ہی لکھا ہے کہ ''امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ کی احادیث کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ دو ہزار حماد سے دو ہزار باقی مشائخ سے۔'' [ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۷۵]

لہٰذا جب امام صاحب کی مرویات کی تعداد بقول حسن اللؤلؤی چار ہزار ہے تو پھر چالیس ہزار سے انتخاب کے دعویٰ کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ ہم یہاں امام صاحب کی مرویات کے حوالے سے دیگر بیانات، جن کا تذکرہ نعمانی صاحب نے بھی کیا ہے، کی تفصیل ووضاحت میں جانا نہیں چاہتے کہ یہ ہمارا موضوع نہیں۔

کتاب الآثار کی خدمت:

کسی کتاب کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی کس قدر شروح وحواشی لکھے گئے، غریب الفاظ کی وضاحت، مشکلات، اس کا حل، اسانید ورجال کا کس قدر تتبع کیا گیا۔ کس کس نے

اس پر استدراک اس کے شواہد ومتابعات لکھے، کس نے اس پر اعتراضات والزامات اور کس کس نے اس کا دفاع کیا۔اس حوالے سے ہم جب دیکھتے ہیں تو کتاب الآثار، جیسے ''ام الام'' اور حدیث کا پہلا صحیح مجموعہ قرار دینے پر اصرار ہو رہا ہے، کو وہ مقام نہیں ملا ہو موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو حاصل ہے۔محدث ہند شاہ ولی اللہ ؒ اسی حوالے سے رقم طراز ہیں:

" إن شئت الحق الصراح فقس كتاب الموطأ بكتاب الآثار لمحمد والأمالي لأبي يوسف تجد بينه وبينهما بعد المشرقين، فهل سمعت احداً من المحدثين والفقهاء تعرض لهما واعتنى بهما ؟"

[حجة الله، ج:١، ص:١٣٤]

''اگر تم واضح حق چاہتے ہو تو موطا کتاب الآثار امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی الامالی سے تقابل کرو، تم موطا اور دوسری دونوں کتابوں کے مابین بعد المشرقین پاؤ گے۔کیا محدثین اور فقہاء میں سے کسی سے سنا ہے کہ وہ ان دونوں کی طلب کے درپے ہوئے، اور ان کا اعتناء اور اہتمام کیا؟''

قاضی عیاض نے تو کہا ہے کہ

" لم يعتن بكتاب من كتب الحديث والعلم اعتناء الناس با الموطأ۔"

[مقدمه تحفة الاحوذي، ص:٨٥]

''لوگوں نے جس قدر موطا کا اعتنا کیا ہے اس قدر حدیث اور علم کی کسی کتاب کا نہیں کیا۔''

قاضی عیاض نے نوے اہل علم کا ذکر کیا ہے جنھوں نے موطا کی احادیث اور رجال پر بحث کی ہے۔ان کے بعد اس کتاب کی خدمت کرنے والے کون کون ہیں اس کا شمار مشکل ہے۔اس کے برعکس کتاب الآثار کے بارے میں مولانا نعمانی مرحوم نے ہی لکھا ہے کہ ''حافظ ابن حجر اور حافظ قاسم قطلوبغا نے اس کے رجال پر کتابیں تصنیف کی ہیں، صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ کتاب الآثار امام محمد پر امام طحاوی نے شرح لکھی، علامہ مرادی نے بھی سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر میں شیخ ابوالفضل نور الدین علی بن مراد موصلی شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح الآثار امام محمد کا ذکر کیا ہے۔''

[ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۷۴]

یہ ہے کل جمع پونجی جس کا ذکر کتاب الآثار کے حوالے سے مولانا نعمانی نے کیا ہے۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علمائے امت نے اس سے کس قدر اعتناء کیا ہے۔ بلکہ خود علمائے احناف نے اس کی کیا قدر افزائی کی۔بس یہی دو نام، ایک علامہ طحاوی کا اور دوسرا علامہ مغلطائی کا۔حافظ سخاوی نے رجال کے علاوہ التعلیق علی کتاب الآثار کا ذکر بھی کیا ہے۔ [الضوء اللامع]

آخری دور میں مولانا ابوالوفا افغانی مرحوم نے اس کی مفصل شرح لکھی لیکن وہ بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ پائی۔نو سو سولہ روایات میں سے صرف ۲۶۹ روایات کی شرح وحواشی لکھ پائے تھے کہ پیام اجل آ پہنچا اور یوں یہ شرح ادھوری رہ گئی۔اس حقیقت کے باوجود یہ کہنا کہ کتاب الآثار ''ام الام'' اور یہ ''پہلا صحیح مجموعہ احادیث ہے'' بلکہ ''موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے''، محض دل کے بہلانے کا ذریعہ اور احساس محرومی کے ازالے کی گھٹیا کوشش ہے۔

ہماری ان گزارشات سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب الآثار اپنی روایات کے آئینہ میں قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کی تمام یا اکثر روایات کو صحیح اور اسے صحیح حدیث پر مشتمل پہلی کتاب قرار دیا جائے۔کیوں کہ اس میں کذاب، متروک، ضعیف، مجہول اور مبہم راویوں کی روایات پائی جاتی ہیں۔ مدلس اور مختلط راویوں کے علاوہ منقطع اور مرسل معلق اور بلاغات بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ امام ابوحنیفہ ؒ نے ایسے راویوں کی روایات سے استدلال بھی کیا ہے۔اس لیے اس کی منقطع اور معلقات کو صحیح بخاری کی معلقات کے تناظر میں سمجھنا کوئی عقل مندی نہیں۔



اسلام کا نظریہ زر اور کاغذی کرنسی کی حقیقت! ①

حافظ ذوالفقار علی، ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور

چوں کہ لوگوں کے مابین لین دین کے تمام معاملات میں مرکز ومحور زر ہی ہوتا ہے اس لیے ہر معاشی نظام میں زر اور اس کے متعلقات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ زر کی اس اہمیت کے پیش نظر علمائے اسلام نے بھی اپنی تحریری کاوشوں میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں قانونی زر سونے، چاندی کے سکوں دنانیر ودراہم کی شکل میں ہوتا تھا مگر دور حاضر میں تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس کاغذی کرنسی ہے۔ سونے چاندی کے سکے پوری دنیا میں کہیں استعمال نہیں ہوتے۔ اسلامی نقطہ نظر سے زر کی حقیقت اور مروّجہ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

زر کی حقیقت:

زر کو عربی میں ''نَقْد'' کہتے ہیں۔

لغت کی مشہور کتاب ''المعجم الوسیط'' میں نقد کا معنی یوں لکھا ہے:

" النقد: (فی البیع) خلاف النسیئة ویقال: درهم نقد: جید لا زیف فیه (ج) نقود۔ و ...... العملة من الذهب أو الفضة وغیرهما مما یتعامل به و ...... فن تمیز جید الکلام من ردیئه، وصحیحه من فاسده))

''خرید وفروخت میں نقد کا معنی ہوتا ہے جو ادھار نہ ہو، عمدہ قسم کا درہم جس میں کھوٹ نہ ہو کو ''درہم نقد'' کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع نقود آتی ہے۔ اور نقد اس کرنسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے لین دین ہوتا ہو خواہ سونے کی بنی ہو یا چاندی کی یا ان دونوں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے۔ عمدہ اور ردی، صحیح اور فاسد کلام کے مابین امتیاز کرنے کے فن کو بھی نقد کہتے ہیں۔''

فقہی لٹریچر میں نقد کا لفظ تین معانی کے لیے آتا ہے:

①......سونے چاندی کی دھاتیں خواہ وہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے سکوں کی صورت میں۔ چناں چہ فقہاء کی عبارات میں سونے چاندی کے لیے النقد ان کا لفظ بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔

②......سونے چاندی کے سکوں کے لیے چاہے وہ عمدہ ہوں یا غیر عمدہ۔ سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات سے بنے ہوئے سکوں کو فُلُوْس کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق فلوس نقد میں شامل نہیں۔

③...... ہر وہ چیز جو بطور آلہ تبادلہ استعمال ہو چاہے وہ سونے کی ہو، چاندی کی ہو، چمڑے کی ہو یا پیتل اور کاغذ وغیرہ کی بشرطے کہ اس کو قبولیت عامہ حاصل ہو۔ عصر حاضر میں نقد کا لفظ اس تیسرے معنی کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ [الموسوعة الفقهية مادة نقود]

چناں چہ اقتصادی ماہرین نقد (زر) کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

" إن للنقد ثلاث خصائص متی توفرت فی مادة ما اعتبرت هذه المادة نقدا۔

الأولی: أن یکون وسیطا للتبادل۔

الثانیة: أن یکون مقاسیا للقیم۔

الثالثة: أن یکون مستودعا للثروة۔

[مجلة البحوث الاسلامية، عدد:١، ص:٢٠٠]

''زر کی تین خصوصیات ہیں جس مادہ میں بھی وہ پائی جائیں وہ زر شمار ہوگا۔

①......ذریعہ مبادلہ ہو، ②......قیمتوں کا پیمانہ۔

③......دولت محفوظ رکھنے کا ذریعہ۔''

بلاشبہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں مالیاتی لین دین سونے، چاندی کے سکوں کے ذریعے ہی ہوتا تھا اور سونے، چاندی کی زری صلاحیت بھی مسلمہ ہے۔ لیکن شریعت نے زر کے لیے سونے، چاندی کے سکوں کی شرط نہیں لگائی بلکہ اس معاملے میں بڑی وسعت رکھی ہے۔ مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ بلاذری کے بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اونٹوں کی کھال سے درہم بنانے کا ارادہ کرلیا تھا مگر اس خدشے سے ارادہ ترک کردیا کہ اس طرح تو اونٹ ہی ختم ہوجائیں گے۔ چناں چہ بلاذری نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

" هممت أن أجعل الدراهم من جلود الابل فقيل له إذا لا بعير فأمسك)) [فتوح البلدان، ج:۳، ص:۵۷۸]

''میں نے اونٹوں کے چمڑوں سے درہم بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ ان سے کہا گیا تب تو اونٹ ختم ہوجائیں گے اس پر انھوں نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔''

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى تكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة ـ" [المدونة الكبرىٰ ـ التأخير فى صرف الفلوس]

''اگر لوگ اپنے درمیان چمڑوں کے ذریعے خرید وفروخت کو رائج کردیں یہاں تک کہ وہ چمڑے ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کرجائے تو میں سونے چاندی کے بدلے ان چمڑوں کو ادھار فروخت کرنا پسند نہیں کروں گا۔''

یعنی اگر چمڑا بحیثیت زر رائج ہوجائے تو اس پر بھی وہی احکام جاری ہوں گے جو درہم ودینار پر ہوتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ خراسان کے امیر غطریف بن عطاء کندی کی طرف منسوب ''غطارفة'' نامی دراہم جن میں ملاوٹ زیادہ اور چاندی کم ہوتی تھی کی بحث میں رقم طراز ہیں۔

" وَذَكَرَ الْوَلْوَالِجِيُّ أَنَّ الزَّكَاةَ تَجِبُ فِي الْغَطَارِفَةِ إِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ؛ لِأَنَّهَا الْيَوْمَ مِنْ دَرَاهِمِ النَّاسِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْ دَرَاهِمِ النَّاسِ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي كُلِّ زَمَانٍ عَادَةُ أَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ ـ"

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق باب زكوة المال]

''ولوالجی نے ذکر کیا ہے کہ غطارفہ جب دوسو ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ اگرچہ پہلے زمانے میں یہ لوگوں کے درہم نہیں تھے مگر آج کل یہی ہیں۔ ہر دور میں اس زمانے کا رواج معتبر ہوتا ہے۔''

اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ شرعی لحاظ سے زر کے انتخاب میں سونے چاندی کی پابندی نہیں ہے۔ قیمتوں کو جانچنے کے لیے کسی بھی چیز کو معیار بنایا جاسکتا ہے بشرطے کہ اسے معاشرہ میں قبولیت حاصل ہو۔

زر صرف حکومت جاری کرسکتی ہے:

اگرچہ شریعت نے زر کے انتخاب میں کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی لیکن زر جاری کرنے کا اختیار صرف حکومت کو دیا ہے۔ کیوں کہ مالیاتی لین دین کا مکمل نظام زر کی اساس پر ہی رواں دواں ہے اور اگر ہر کس وناکس کو حسب منشاء زر جاری کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نہایت خطرناک اقتصادی اور معاشی حالات پیدا ہوجائیں گے۔ چنانچہ کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

" ولا يجوز لغير الامام ضرب النقود لان فى ذلك افتياتا عليه ويحق للإمام تعزير من افتات عليه فيما هو من حقوقه، وسواء كان ما ضربه مخالفا لضرب السلطان أو موافقا له فى الوزن ونسبة الغش وفى الجودة حتى لو كان من الذهب والفضة الخالصين، قال الإمام أحمد فى رواية جعفر بن محمد لا يصلح ضرب الداراهم إلا فى دار الضرب بإذن السلطان، لأن الناس إن رخص

لھم رکبوا العظائم ۔" [الموسوعة الفقھیة، ج:٤١، ص:١٧٨،١٧٩]

''امام کے علاوہ کسی کو کرنسی بنانے کی اجازت نہیں کیوں کہ یہ اس پر ظلم ہے۔اور امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جو شخص اس کا یہ حق سلب کرے وہ اسے سزا دے خواہ اس کی بنائی ہوئی کرنسی خالص سونے چاندی کی ہی کیوں نہ ہو۔امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ درہم صرف حاکم وقت کی اجازت سے ٹکسال میں ہی بنائے جاسکتے ہیں کیوں کہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو وہ بڑے مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ویکرہ أیضا لغیر الامام ضرب الدراھم والدنانیر وإن کانت خالصة لانہ من شأن الامام ولانہ لا یؤمن فیہ لغش والافساد ۔" [المجموع، ج:٦، ص:١١]

''امام کے علاوہ کسی کو درہم اور دینار بنانے کی اجازت نہیں چاہے وہ خالص ہی ہوں۔کیوں کہ یہ امام کا حق ہے اور اس دوسرے کو اس لیے بھی اجازت نہیں کہ اس میں جعل سازی اور بگاڑ کا اندیشہ ہے۔''

ثابت ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت وقت کے علاوہ کسی کو کرنسی جاری کرنے کا اختیار نہیں۔کیوں کہ اس طرح جعلی کرنسی وجود میں آنے کا خدشہ ہے جو موجب فساد ہے۔

زر مستحکم قدر کا حامل ہونا چاہیے:

اسلامی نظامِ معیشت کا مکمل ڈھانچہ عدل پر قائم ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے جو عدل کے منافی ہیں۔چونکہ تمام مالی معاملات درحقیقت زر ہی کے گرد گھومتے ہیں اور کسی مالی معاہدے کے وقوع اور وقت ادائیگی کے درمیان زر کی قوت خرید میں غیر معمولی کمی سے صاحب حق کا متاثر ہونا یقینی ہے جو تقاضا عدل کے خلاف ہے۔اسی بنا پر بعض مسلم مفکرین افراطِ زر کو بخس، تطفیف اور ملاوٹ میں شمار کرتے ہیں۔چنانچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مناسب حد تک کرنسی کی قدر کو مستحکم رکھے۔چنانچہ ''الموسوعة الفقیة'' میں مرقوم ہے:

" من المصالح العامة للمسلمین التی یجب علی الامام رعایتھا المحافظة علی استقرار أسعار النقود من الانخفاض، لئلا یحصل بذلك غلاء الأقوات والسلع وینتشر الفقر ولتحصل الطمأنیة للناس بالتمتع بثبات قیم ما حصلوہ من النقود بجھدھم وسعیھم واکتسابھم، لئلا تذھب ھدرا ویقع الخلل والفساد ۔"

[الموسوعة الفقھیة الکویتیة مادة نقود]

''مسلمانوں کے مفاداتِ عامہ جن کا تحفظ امام کی ذمہ داری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زر کی قیمتوں میں ثبات پیدا کرے تاکہ اس سے خوراک اور اشیاء کی قیمتیں نہ بڑھیں اور غربت میں اضافہ نہ ہو۔اور لوگ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کیے گئے زر سے فائدہ اٹھانے کے متعلق مطمئن ہوں تاکہ وہ زر رائیگاں نہ جائے اور خلل اور فساد واقع نہ ہو۔''

مشہور محدث امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" والثمن ھو المعیار الذی بہ یعرف تقویم الأموال فیجب أن یکون محدودا مضبوطا لا یرتفع ولا ینخفض إذلو کان الثمن یرتفع وینخفض کالسلع لم یکن لنا ثمن نعتبر بہ المبیعات بل الجمیع سلع وحاجة الناس إلی ثمن یعتبرون بہ المبیعات حاجة ضروریة عامة وذلك لا یمکن إلا بسعر تعرف بہ القیمة وذلك لا یکون إلا بثمن تقوم بہ الأشیاء ویستمر علی حالة واحدة ولا یقوم ھو بغیرہ إذ یصیر سلعة یرتفع وینخفض فتفسد معاملات الناس ویقع الخلف ویشتد الضرر ۔"

[اعلام الموقعین، ج:۲، ص:۱۵۶]

''زر ہی وہ معیار ہے جس کے ذریعے اموال کی قیمتوں کی پہچان ہوتی ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ متعین اور کنٹرول میں ہو، اس کی مالیت میں اتار چڑھاؤ نہ ہو کیوں کہ اگر سامانِ تجارت کی طرح زر میں بھی اتار چڑھاؤ ہو تو ہمارے پاس اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے کوئی ثمن (زر) نہیں رہے گا بلکہ سب سامان ہی ہوگا۔حالاں کہ اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے لوگ ثمن کے محتاج ہیں۔اور یہ ایسے نرخ کے ذریعے ممکن ہے جس سے قیمت کی معرفت حاصل ہو اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے ایک زر ہو اور وہ ایک ہی حالت پر رہے۔اس کی قیمت کا کوئی معیار کوئی دوسری چیز نہ ہو کیوں کہ اس صورت میں وہ خود سامان بن جائے گا جس کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی ہے۔نتیجتاً لوگوں کے معاملات خراب ہو جائیں گے، اختلاف پیدا ہوگا اور شدید ضرر لاحق ہوگا۔''

یعنی کرنسی ایسی ہونی چاہیے جس کی مالیت میں عام اشیاء کی طرح غیر معمولی کمی واقع نہ ہو بلکہ معقول حد تک مستحکم قدر کی حامل ہو ورنہ لوگ ضرر کا شکار ہوں گے۔

زر کی قدر میں استحکام کیسے لایا جائے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کاغذی کرنسی کی قدر میں مسلسل کمی کا رجحان چلا آرہا ہے، اور آج کل تو اس کی قدر بہت تیزی سے گر رہی ہے۔اس کے برعکس سونے چاندی کی قوت خرید خاصی مستحکم ہے بالخصوص سونے کی قوت خرید میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔اگر کسی بحران یا سونے کے مقابلہ میں اشیاء وخدمات کی قلت کی بنا پر ایسا ہوا بھی تو کمی کا یہ سلسلہ مستقل جاری نہیں رہا۔اس کے اسباب دور ہونے کے بعد صورت اس کے برعکس ہوگئی۔اگر عہد رسالت میں سونے کی قوت خرید کا اس کی موجودہ قوت خرید سے تقابل کیا جائے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔بطور نمونہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

❀......قتل کی دیت سو اونٹ ہے اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو وہ ان کی قیمت ادا کرے جو آپ ﷺ کے دور میں آٹھ سو دینار مقرر تھی۔

''كَانَتْ قِيمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثَمَانَ مِائَةِ دِيْنَارٍ۔'' [سنن أبى داؤد باب الدية كم هى]

''رسول اللہ ﷺ کے دور میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی۔''

اس کا مطلب ہے کہ عہد رسالت میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی۔جدید تحقیق کے مطابق شرعی دینار کا وزن 4.25 گرام ہے۔دیکھئے **الموسوعة الفقهية: ماده دنانير**

اس طرح آپ ﷺ کے دور میں ایک اونٹ کی قیمت 34 گرام سونا بنی، آج بھی اتنے سونے کے عوض ایک اونٹ خریدا جاسکتا ہے۔اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ گراں ہونے پر دیت کی قیمت آٹھ سو سے بڑھا کر ہزار دینار کردی تھی مگر آج کل ایک سو اونٹ خریدنے کے لیے آٹھ سو دینار یعنی 3400 گرام سونا کافی ہے۔

❀......حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دِيْنَارًا يَشْتَرِيْ بِهِ أُضْحِيَةً أَوْ شَاةً فَاشْتَرَى شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ۔'' [سنن ابى داؤد باب فى المضارب يخالف ـــ سنن ابن ماجه باب الأمين يتجر فيه فيربح ـــ مسند احمد حديث عروة بن أبى الجعد]

''نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار دیا تا کہ وہ اس سے ایک قربانی یا ایک بکری خریدے۔انھوں نے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا ایک بکری اور ایک دینار آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔''

یعنی عہد رسالت میں 4.25 گرام سونے کے عوض ایک بکری خریدی جاسکتی تھی۔آج بھی سونے کی قوت خرید یہی ہے۔

ان دو مثالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت سے لے کر اب تک سونے کی قدر میں غیر معمولی کمی نہیں ہوئی، اگر کسی دور میں ایسا

ہوا بھی تو بعد میں معاملہ الٹ ہوگیا۔ البتہ اس عرصہ کے دوران سونے کی نسبت چاندی کی قوت خرید میں کافی کمی آئی ہے۔ عہد نبوی میں دس درہم تقریباً تیس گرام چاندی سے ایک بکری خریدی جاسکتی تھی۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہوا ہے۔

" مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا ۔" [صحيح البخاري كتاب الزكوة باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عنده]

''جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ میں جذعہ (چار سالہ اونٹ) فرض ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو تو اس سے تین سالہ اونٹ قبول کرلیا جائے گا اور وہ ساتھ دو بکریں اگر آسانی سے میسر ہوں دے گا یا بیس درہم۔'' یعنی ایک بکری کے بدلے دس درہم۔

لیکن آج کل اتنی چاندی میں ایک بکری نہیں خریدی جاسکتی۔ تاہم اس کمی سے اس قسم کے تباہ کن معاشی حالات پیدا نہیں ہوتے رہے جن سے لوگ کاغذی کرنسی کی وجہ سے دوچار ہیں۔ اس لیے ماہرین معیشت کی رائے میں کاغذی کرنسی کی قدر میں ہوش ربا تغیر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مہنگائی کے طوفان کا ایک ہی حل ہے کہ مالیاتی لین دین کی بنیاد سونے، چاندی کو بنایا جائے۔ چناں چہ آج کل پوری دنیا میں مختلف حلقوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ دوبارہ سونے، چاندی کے سکوں کا نظام رائج کیا جائے۔

ابن مقریزی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نرخوں میں بے تحاشہ اضافے کا حل یہی ہے کہ از سرنو ''معیاری قاعدہ زر'' (Gold Specie Standard) کا اجراء کیا جائے۔ چناں چہ کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ان کی رائے یوں درج ہے:

''نرخوں میں افراتفری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونی والی مہنگائی کی موجوں کا علاج صرف یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زر کے استعمال کی طرف لوٹا جائے۔''

ان کے دور میں افراط زر کا جو بحران پیدا ہوا تھا ان کی نظر میں اس کا ایک سبب سونے کی جگہ معدنی سکوں سے لین دین تھا جس سے قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ چناں چہ وہ اس پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالی ان لوگوں کو توفیق دے جن کے سپرد اس نے اپنے بندوں کے امور کر رکھے ہیں یہاں تک کہ وہ لین دین کو سونے کی طرف لے جائیں اور سامان کی قیمتوں اور اجرتوں کے دینار اور درہم سے وابستہ کردیں تو اس سے امت کا بھلا اور امور کی اصلاح ہوگی۔''

[الموسوعة الفقهية، ج:٤١، ص:٤٨، ٤٩ مادة نقود]

جب کہ جدید ماہرین معیشت کے نزدیک حکومت کا حقیقی پیداوار کو نظر انداز کرکے نوٹ چھاپنا، اشیاء وخدمات کی طلب ورسد کے درمیان عدم توازن، اسراف وتبذیر، تاجروں میں ناجائز منافع خوری کا رجحان اور اشیاء کی پیداواری لاگت میں اضافہ وہ عوامل ہیں جو کرنسی کی قدر میں عدم استحکام پیدا کرتے ہیں۔ ان مسائل کو حل کرکے کرنسی کی قدر میں استحکام پیدا کیا جاسکتا ہے۔ سونے، چاندی کے سکے شرعی تقاضا نہیں ہے۔

علاوہ ازیں سونے، چاندی کے سکوں کی پابندی ریاست کے لیے غیر ضروری زحمت کا موجب بھی بن سکتی ہے۔ ممکن ہے ریاست کے پاس سکے بنانے کے لیے سونے چاندی کے وسیع ذخائر موجود نہ ہوں۔

زر کی قسمیں:

زر کی دو قسمیں ہیں:

① ......حقیقی، ② ......اعتباری

حقیقی زر کا اطلاق سونے، چاندی پر ہوتا ہے۔ سونے چاندی کے علاوہ زر کی باقی تمام اقسام خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں اعتباری زر کہلاتی ہیں۔ سونے چاندی کو حقیقی زر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی قوت خرید فطری ہے اگر بحیثیت زر ان کا رواج ختم ہوجائے تب بھی باعتبار جنس ان کی ذاتی مالیت برقرار رہتی ہے۔ لیکن اگر اعتباری زر کی زری حیثیت ختم

ہو جائے تو سونے چاندی کی طرح اس کی افادیت باقی نہیں رہتی۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ یہ زر ہیں۔

زر اور کرنسی میں فرق:

کرنسی کے مقابلے میں زر اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں کرنسی کے علاوہ دوسری اشیاء بھی شامل ہیں جن کو معاشرے میں آلہ مبادلہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کرنسی کا اطلاق صرف کاغذی زر پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کرنسی کو ادائیگیوں کے لیے قانونی طور پر قبول کرنا لازم ہوتا ہے جب کہ عام زر میں یہ پابندی نہیں ہوتی۔ تاہم اس اعتبار سے دونوں ایک ہیں کہ زر کی طرح کرنسی بھی آلہ مبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہونے کے علاوہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کرتی اور قابل ذخیرہ ہوتی ہے۔

کرنسی کی تاریخ:

سونے، چاندی کے بحیثیت زر استعمال ہونے سے قبل دنیا میں ''زر بضاعتی'' یا ''اجناسی زر'' (النقود السلعیۃ) کا نظام رائج تھا۔ اس سسٹم کے تحت ہر خطے کے لوگوں نے اپنے علاقے میں مقبول اور قیمتی شمار ہونے والی اشیاء کو زر کا درجہ دیا۔ بعض علاقوں میں چاول بعض میں چمڑا اور بعض میں چائے زر کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ معروف سعودی عالم جسٹس ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں:

''اس نظام میں یہ طے پایا کہ ایسی اشیاء کو زر بضاعتی قرار دیا جائے جن میں حسابی وحدت، قیمتوں کی یکسانیت، بحیثیت مال جمع کیے جانے کی استعداد اور قوت خرید موجود ہو۔ یہ اشیاء نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں مثلاً ساحلی علاقہ جات میں موتیوں کو بطور ثمن (زر) استعمال کیا گیا۔ سرد علاقوں میں پشم کو ثمن ٹھہرایا گیا۔ جبکہ معتدل موسم کے حامل ممالک میں آباد لوگوں کی خوشحال زندگی اور آسودہ حالی کی بنا پر خوب صورت اشیاء (مثلاً قیمتی پتھروں کے نگینے، عمدہ لباس، ہاتھی کے دانت، مچھلیاں وغیرہ) کو کرنسی قرار دیا گیا۔ جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں چاول کو بطور کرنسی استعمال کیا گیا۔ جبکہ وسط ایشیا میں چائے، وسطی افریقہ میں نمک کے ڈلوں اور شمالی یورپ میں پوستین کو کرنسی قرار دیا گیا۔''

[کاغذی کرنسی کی تاریخ، ارتقا، شرعی حیثیت، ص: ۱۰]

رومی بادشاہ جولیئس سیزر (دور حکومت ۶۰ تا ۴۴ ق م) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی فوج کو تنخواہ نمک کی شکل میں ملتی تھی۔ نمک کو لاطینی میں ''سیل'' کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ Salary نکلا ہے جس کا معنی ہے ''تنخواہ''۔

چوں کہ اشیاء ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی بھی آسان نہیں ہوتی اس لیے یہ نظام مستقل جاری نہ رہ سکا۔ لوگوں نے اس کی جگہ سونے چاندی کا استعمال شروع کر دیا۔ ابتداء میں سونے چاندی کے وزن کا ہی اعتبار ہوتا تھا۔ سکوں کا رواج بعد میں شروع ہوا۔ سکے کب وجود میں آئے اس کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ قرآنِ مجید سے یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں دراہم موجود تھے۔ کیونکہ ان کے بھائیوں نے انھیں دراہم کے عوض بیچا تھا۔

﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴾ [یوسف: ۲۰]

''انھوں نے اس کو انتہائی کم قیمت جو گنتی کے چند درہم تھے کے عوض فروخت کر دیا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا دور 1910 تا 1800 ق م ہے۔

کہتے ہیں سونے کا سکہ سب سے پہلے لیڈیا کے بادشاہ کروسس (دورِ حکومت 560 تا 546 ق م) نے متعارف کرایا۔

عہد نبوی کی کرنسی:

بعثت نبوی کے وقت عرب میں لین دین کا ذریعہ درہم و دینار تھے لیکن گنتی کی بجائے وزن کا اعتبار کیا جاتا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ درہم و دینار عرب کے مقامی سکے نہ تھے بلکہ ہمسایہ اقوام سے یہاں آتے تھے۔ درہم ساسانی سکہ تھا جو عراق کے راستے عرب پہنچتا اور لوگ

اس کی بنیاد پر باہم لین دین کرتے۔ نبی ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ یہ دراہم چونکہ مختلف وزن کے ہوتے تھے اس لیے جب نصابِ زکوٰۃ کے لیے درہم کا وزن مقرر کرنے کی نوبت آئی تو مسلمانوں نے ان میں سے متوسط کو معیار بنایا۔ چنانچہ اسی کو شرعی درہم سمجھا گیا۔ ایک قول کے مطابق یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کہ دوسرے قول کے مطابق بنوامیہ کے دور میں ہوا۔ جوصورت بھی ہوتا ہم آخر کار جس شرعی درہم پر اجماع ہوا وہ وہی ہے جو عبدالملک بن مروان کے دور میں بنایا گیا۔ لیکن فقہاء اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے کہ یہ درہم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا۔ مختلف شہروں میں اس کے وزن اور معیار میں کافی تبدیلی آتی رہی ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں اس درہم کا وزن 2.975 گرام چاندی ہے۔ [الموسوعة الفقهية الكويتية مادة دراهم]

اسی طرح دینار رومیوں کی کرنسی تھی جو براستہ شام یہاں آتی۔ نبی ﷺ نے اس کو باقی رکھا حتی کہ خلفائے راشدین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی رومی دینار کو ہی کرنسی کی حیثیت حاصل رہی۔ جب مسند خلافت عبدالملک بن مروان کے پاس آئی تو انھوں نے زمانہ جاہلیت کے دینار کے مطابق ایک دینار جاری کیا جس کو شرعی دینار کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے برابر تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے برقرار رکھا تھا۔ [الموسوعة الفقهية الكويتية: مادة دنانير]

معمولی اشیاء کے لین دین میں سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں یعنی تانبے وغیرہ سے بنے سکے جنھیں ''فُلُوس'' کہا جاتا ہے بھی استعمال ہوتے۔

حدیث میں دیوالیہ شخص کے متعلق ''اَلْمُفْلِسْ'' کا لفظ آتا ہے۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''شرعی معنوں میں مفلس وہ شخص ہے جس کے قرضے اس کے پاس موجود مال سے زیادہ ہو جائیں۔ اسے مفلس اس لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے درہم و دینار کا مالک تھا لیکن اب فلوس پر آ گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف معمولی مال فلوس کا مالک رہ گیا ہے۔ یا ایسے شخص کو مفلس اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کو فلوس جیسی معمولی چیز میں ہی تصرف کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ فلوس کے ذریعے معمولی اشیاء کا لین دین ہی کرتے تھے۔''

[فتح الباري، ج:۵، ص:۷۹]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی فلوس کا تذکرہ موجود ہے۔

'' فَأَمَرَهَا أَنْ تَشْتَرِيَ بِهٖ فُلُوْسًا۔''

[مسند احمد بن حنبل حديث ابى ذر الغفارى]

''انھوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اس کے بدلے ''فلوس'' خرید لو۔''

سونے چاندی کے سکے وجود میں آنے کے بعد بھی بعض علاقوں میں مخصوص اشیاء زر کی حیثیت سے استعمال میں رہیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سوڈان گیا تو اس وقت وہاں نمک کے ساتھ ہی لین دین ہوتا تھا۔ چناں چہ وہ لکھتا ہے:

''سوڈان میں نمک بطور روپیہ کے چلتا ہے اور سونے چاندی کا کام دیتا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیتے ہیں اور ان کے ذریعے خرید و فروخت ہوتی ہے۔''

[سفرنامہ ابن بطوطہ، حصہ دوم، ص:۲۷۰]

پھر مختلف اسباب کی بنا پر آہستہ آہستہ درہم دینار کا رواج ختم ہوتا چلا گیا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں کرنسی نوٹوں کا ہی دور دورہ ہے کیونکہ یہ آسان ترین ذریعہ مبادلہ ہے۔

نوٹ کب ایجاد ہوئے؟

کہا جاتا ہے اہل چین نے 650ء سے 800ء کے درمیان کاغذ کے ڈرافٹ بنانے شروع کیے تھے۔ اسی ڈرافٹ نے آگے چل کر کرنسی نوٹوں کی اشاعت کا تصور دیا۔ اسی لیے کاغذ کی طرح کرنسی نوٹ بھی اہل چین کی ایجاد شمار ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں سب سے پہلے کرنسی نوٹ 910ء میں چین میں ایجاد ہوئے۔

[الاوراق النقدية فى الاقتصاد الاسلامى قيمتها واحكامها، ص:۱۱۵]

ابن بطوطہ جو 1324ء سے 1355ء کے درمیان چین کی سیاحت پر گیا تھا چین کے نوٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اہل چین درہم یا دینار کے ذریعہ سے خرید وفروخت نہیں کرتے بلکہ سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کے ڈلے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے خرید وفروخت کرتے ہیں۔ یہ کاغذ کا ٹکڑا کفدست (ایک بالشت) کے برابر ہوتا ہے اور بادشاہ کے مطبع میں اس پر مہر لگاتے ہیں ایسے پچیس کاغذوں کو بالشت کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ لفظ دینار کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جب یہ کاغذ کثرت استعمال سے یا کسی اور طرح پھٹ جاتا ہے تو وہ دارالضرب میں لے جاتے ہیں اور اس کے عوض نیا لے آتے ہیں۔ یہ دارالضرب ایک بڑے درجہ کے امیر کی تحویل میں ہے۔ جب کوئی شخص بازار میں درہم یا دینار کے عوض یہ کاغذ لے سکتا ہے اور ان کے عوض جو چیز چاہے خرید سکتا ہے۔''

مشہور مؤرخ ابن مقریزی ؒ جب بغداد گئے تھے تو انھوں نے بھی وہاں چین کے نوٹوں کا مشاہدہ کیا تھا۔

[الموسوعة الفقهية: مادة نقود]

چین کے بعد جاپان دوسرا ملک ہے جہاں چودھویں صدی عیسوی میں کرنسی نوٹ جاری ہوئے۔ یورپ میں پہلا باقاعدہ نوٹ 1661ء کو سٹاک ہام بینک آف سویڈن نے جاری کیا۔ انگلینڈ نے 1695ء میں کرنسی نوٹ جاری کیے۔ ہندوستان میں پہلا نوٹ 5 جنوری 1825ء کو بنک آف کلکتہ نے جاری کیا جس کی مالیت دس روپے تھی۔ آزادی کے بعد پاکستان میں کرنسی نوٹ یکم اکتوبر 1948ء کو جاری کیے گئے۔

ابتداء میں تو نوٹ کی پشت پر سو فیصد سونا ہوتا تھا لیکن بعد میں مختلف معاشی وجوہ کے باعث سونے کی مقدار سے زائد نوٹ جاری کیے جانے لگے اور مختلف ادوار میں یہ تناسب بتدریج کم ہوتا رہا یہاں تک کہ 1971ء سے نوٹ کا سونے سے تعلق بالکل ختم ہو چکا ہے۔ [جاری ہے]

❀❀............❀............❀❀

درخواست دعائے صحت

جامعہ ابن تیمیہ ؒ لاہور کے استاذ جناب مولانا شفیق الرحمٰن فرخ (مدیر سہ ماہی ''نداء الجامعہ'' لاہور) کے والد گرامی جناب بشیر احمد صاحب (پاکیزہ شہد، مرکز چھانگا مانگا) ان دنوں علیل ہیں۔ احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

اللهم اشفه شفاءً كاملاً عاجلاً.

[طلباء نداء الجامعہ]

نئے مضمون نگار حضرات متوجہ ہوں

ہفت روزہ الاعتصام میں اشاعت کے لیے مضامین ارسال کرنے والے مضامین نگار حضرات درج ذیل باتوں کا ضروری خیال کیا کریں:

⊙...... مضمون خوش خط، صاف ستھرا اور کاغذ کی ایک طرف لکھیں۔

⊙...... مدلل، حوالہ جات مکمل یعنی قرآن، حدیث، تفسیر اور تاریخ سے حوالہ جات دیتے وقت سورۃ، آیت نمبر، حدیث نمبر اور طبع وغیرہ کا ضرور ذکر کریں۔

⊙...... بامقصد اور مثبت انداز فکر پہ مبنی مضامین ارسال کریں۔

⊙...... اعلانات اور اشتہارات بھیجنے والے احباب بذریعہ خط اپنے لیٹر پیڈ پر لکھ کر بھیجا کریں۔

⊙...... تقریبات اور جلسوں وغیرہ کی رپورٹیں شائع نہیں کی جائیں گی۔

امید ہے احباب الاعتصام کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں گے۔ [ادارہ]

تقویٰ وطہارت کے مینار

حضرت حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ

محمد الیاس اثری، گوجراں والا

یکم نومبر ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب مجھے یاد رہے گی کہ تقریباً رات ساڑھے گیارہ بجے میرے موبائل کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا گیا تو حافظ محمد اسماعیل میر محمدی حفظہ اللہ کی آواز سنائی دی، آہوں اور سسکیوں میں انھوں نے مجھے ایک افسوس ناک خبر دی کہ اباجی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ دل کو دھچکا لگا میں نے جنازہ کا پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ابھی مشورہ کے بعد بتاؤں گا۔ پھر میں نے صبح کی نماز کے بعد فون کیا تو اطلاع ملی کہ گیارہ بجے مرکز ادارۃ الاصلاح البدر (بنگہ بلوچاں) میں نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور پھر دو بجے بعد دوپہر ان کے مولد ومسکن (آبائی گاؤں) میر محمد ضلع قصور میں ادا کی جائے گی۔

میں نے علی الصبح ایک ٹیوٹا تیار کرنے کا کہہ دیا اور تمام اساتذۂ مرکز کو بھی اطلاع کردی کہ وہ آٹھ بجے سے پہلے مرکز الاصلاح گلبرگ کالونی میں پہنچ جائیں مگر وہ کچھ تاخیر سے آئے۔ افراد مکمل ہونے کی بنا پر میں نے ٹیوٹا پہلے ہی بھیج دیا۔ میں خود، میرا بیٹا حافظ عبدالرحمٰن، حافظ محمد شفیق انصاری اور مولانا شہباز احمد سلفی کار کے ذریعے ابھی بنگہ بلوچاں پہنچے ہی تھے کہ نماز جنازہ کی سلام پھر گئی۔ ہم نے سوچا کہ اب میر محمد چلتے ہیں۔ پھر ہم نے وہاں کا رخ کیا دو بجے نماز جنازہ کھڑی ہوگئی۔ امامت کے فرائض حضرت جی کے صاحبزادہ صاحب نے ادا کیے۔ نماز جنازہ کے بعد لواحقین سے تعزیت کی اور واپسی کی راہ لی۔

حقیقت یہ ہے کہ کئی دن تک دل بجھا بجھا سا رہا۔ کیونکہ میں نے حضرت جی کو بہت قریب سے دیکھا ہے وہ بہت رحیم وشفیق تھے۔ دکھیوں کی روح میں اتر جانے والے تھے۔ پریشان آدمی کو دیکھ کر خود پریشان ہوجاتے تھے۔ وہ دکھیوں کا مداوا تھے۔ ان کے رقعہ جات لے کر لوگ میرے پاس آتے آپ یقین جانیں کہ ان کے رقعہ پر میں نے لاکھوں روپے لوگوں کو دیے ہیں۔ اللہ مجھے اپنے فضل سے دیتا تھا میں ثواب حاصل کرنے کے لیے ان کو بھی دے دیا کرتا تھا۔ وہ اس شعر کا مصداق تھے۔

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

یہ جذبہ میں نے ان سے لیا ہے یہ خدمت خلق نبوی عمل ہے۔ لیکن ان کی مجلس میں بیٹھنے سے یہ عمل مجھ میں سرایت کرگیا ہے۔ ۱۹۸۰ء سے میرا ان سے تعلق چلا آرہا ہے میں نے ان کو بہترین انسان پایا ہے۔ ان ایام میں، میں نے ان کے ساتھ سفر کیا، راتیں بسر کیں، حضر کی مجالس اختیار کیں۔ بلامبالغہ ان کی زبان انتہائی صاف، پاکیزہ اور شستہ تھی۔ گفتگو کرتے ہوئے نہایت ہی خوب صورت دکھائی دیتے تھے، جذبات میں نہیں آتے تھے۔

ایک مرتبہ میرے پاس گوجراں والا مرکز الاصلاح میں تشریف لائے۔ ہمارے شہر کے ایک بہترین عالم دین ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی ایک جمعہ دے دیں۔ حضرت جی نے فرمایا کہ اچھا ضرور دوں گا میرے پاس فی الحال ڈائری نہیں ہے۔ وہ مولانا فرمانے لگے آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔ (میرے خیال میں یہ جملہ گستاخی والا تھا) پھر کچھ ان کی آواز بھی اونچی ہوگئی۔ حضرت جی نے ان کو صرف اتنا کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس علم بہت زیادہ ہے، اس سے زائد کچھ نہیں فرمایا۔ پھر البدر جا کر مجھے فون کیا کہ مولانا موصوف سے کہیں کہ فلاں جمعہ میرا خالی ہے وہ اگر چاہیں تو یہ جمعہ رکھ لیں میں حاضر ہوجاؤں گا۔ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت جی کا پیغام آیا ہے کہ آپ یہ جمعہ اپنی مسجد کے لیے مختص کرلیں۔

چنانچہ حضرت جی آئے اور خطبہ جمعہ دیا اور واپس روانہ ہو گئے۔

سادگی:

سادگی کا یہ عالم ہے کہ ایک سادہ سا مناسب بیگ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس میں ایک جوڑا کپڑوں کا اور کچھ ضروری اشیاء ہوتی تھیں۔ آپ ہی اٹھا کر جاتے آتے تھے۔ جب تک باہمت تھے بسوں میں سفر کرتے تھے۔ جبکہ کئی علماء کے پاس سواریاں تھیں۔ مسجد میں لیٹ جانا ان کی تسکین تھی۔ بڑے گرم و نرم بستر چھوڑ کر مسجد کو ہی ترجیح دیتے۔

وان سکنوا قصوراً عالیات
سکنانی المساجد والذوایا

درجنوں مرتبہ وہ ہمارے پاس آئے ہیں۔ ہمیشہ مرکز ہی میں سوتے تھے یا قبرستان روڈ پر مسجد علم دین (اپنے مادر علمی) میں سونا پسند کرتے تھے۔ شاید کبھی اپنے دیرینہ دوست چوہدری عبدالواحد گوندل کے ہاں قیام کیا ہو۔ پھر یہ بھی خیال کریں اپنا گاؤں میر محمد چھوڑ کر جنگل میں مرکز ادارۃ الاصلاح البدر (بنگہ بلوچاں) قائم کیا۔ گویا جنگل میں منگل کا سماں ہے۔ مگر وہاں بھی انھوں نے اپنا کمرہ بالکل سادہ سا بنایا ہے۔ اس میں ایک چارپائی چند کتابیں اور ایک دو تکیے رکھے ہیں۔ ساری دنیا اسی کمرے کی طرف دوڑی آرہی تھی۔ یہاں تک کہ اس سادگی میں ہی وہ لندن جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی دعوت توحید کا پیغام سنا آئے ہیں۔

کھانے پینے میں بھی بڑی سادگی تھی جب کبھی پوچھا حضرت جی! کیا ناشتہ کریں گے فرماتے چائے اور سوکھے ٹکر یعنی رس ہی کافی ہیں۔ مگر چہرے کی کیفیت اللہ اکبر، روحانیت کا مرکز نظر آتا تھا۔ مسواک کے پابند تھے۔ جیبی گھڑی استعمال کرتے، ہاتھ میں چھڑی رکھتے تھے۔ تصنع، بناوٹ اور ریاکاری سے کوسوں دور تھے۔ آرام وسکون اور متانت وسنجیدگی سے چلتے تھے۔ سر پر سادہ سا رومال باندھتے تھے۔ اسی لباس میں لاکھوں کو خطاب کر گئے۔

طبیعت میں مٹھاس:

طبیعت میں اتنی مٹھاس تھی کہ جو ایک مرتبہ ان کی مجلس کر لیتا وہ چاہتا کہ میں ان کو چھوڑ کر نہ جاؤں۔ اسی لیے ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم دکھائی دیتا تھا۔ ہر آدمی سمجھتا کہ جتنی محبت وہ میرے ساتھ کرتے ہیں کسی دوسرے سے نہیں رکھتے۔ مگر وہ سب سے ہی محبت کرتے تھے۔ آپ یقین مانیے کہ بعض اوقات ہم بھی حضرت جی کی گفتگو سن کر سبحان اللہ پکار اٹھتے تھے۔ بعض دفعہ بڑی سادگی سے مسئلہ بیان کر دیتے۔ تعجب ہوتا کہ مسئلہ بڑا مشکل تھا آسان انداز میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر الفاظ اتنے اعلیٰ، عمدہ اور مناسب ہوتے جیسے موتی ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات سیاسی مسائل میں بھی بڑی جچی تلی رائے پیش فرماتے کہ سبھی اعتراف کرتے کہ یہی صحیح حل ہے۔ بے ساختہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا نکلتی تھی یاد رکھنا کہ وہ پنجابی کی دعا کے سپیشلسٹ تھے۔ اللہ پاک سے بڑی میٹھی میٹھی دعائیں کرتے تھے۔ تلاوت بھی بڑی مسحور کن ہوتی تھی کہ لوگ وجد میں آ جایا کرتے تھے۔ حتی کہ لوگ مطالبہ کر کے ان سے تلاوت سنتے تھے اور پڑھنے میں کوئی تکلف نہ تھا۔ جب کبھی فون کیا تو ریسیور اٹھاتے علیک سلیک ہوتی نام پوچھنے پر فوراً جواب دیتے محمد یحییٰ عزیز، اب ہم کہتے ہیں کہ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی مرحوم

اصلاحی وتبلیغی پروگرام:

دعوت واصلاح اور تربیت کے حوالے سے جب بھی اور جہاں بھی بلایا گیا وقت اگر خالی ہوتا اور طبیعت بھی درست ہوتی تو انکار نہ کرتے۔ ملک کے طول وعرض میں ہونے والی بڑی بڑی کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ حتی کہ توحید کا پیغام دینے اور سنانے کے لیے وہ لندن تک گئے ہیں۔ عموماً مہینے کے چار جمعہ ہوتے ہیں۔ پہلا جمعہ اپنے آبائی گاؤں میں پڑھاتے، دوسرا جمعہ مرکز ادارۃ الاصلاح البدر میں ہوتا، تیسرا رکھاں والا (رؤف خاں والا) میں ہوتا اور باقی ایک جمعہ پورے ملک میں حسب ضرورت اور دوستوں کے اصرار وتکرار پر جہاں اللہ پاک کو منظور ہوتا پڑھا دیتے۔

ہر سال گرمیوں کی تعطیلات میں اساتذہ کا سہ روزہ اجلاس بلاتے۔ اختتام پر کراچی، پشاور، گلیات کے لیے جماعتیں روانہ کرتے۔ پروفیسر قاضی محمد ابراہیم صاحب حضرت جی کے خصوصی معاون ہوتے۔ انھوں نے مرکز کے لیے ساری زندگی وقف کر رکھی ہے۔ پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب امیر المجاہدین نے دو تین پروگرام مرکز البدر ہی میں کیے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنا مرکز مرید کے میں بنا لیا۔ حضرت جی نے وہاں

بھی ایک دو مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔انہوں نے اس میدان میں تقریباً زندگی کی ساٹھ بہاریں گزاری ہیں۔

بچھڑا وہ کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شب بیداری:

مجھے سفر میں بھی ان کی رفاقت نصیب ہوئی ہے۔وہ شب زندہ دار تھے۔بقول علامہ اقبال (مگر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ) ۔

نہ چھوٹے ان سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

ایک مرتبہ جامع مسجد الفاروق اہل حدیث باغبان پورہ گوجراں والا تشریف لائے،مسجد میں ہی قیام کیا۔کوئی دوڈھائی گھنٹے آرام کیا ہوگا کہ پھر اپنے رب سے باتوں میں مصروف ہوگئے۔جبکہ ہماری فرضی نمازیں بھی باجماعت بمشکل ہوتی ہیں۔ان کے ساتھ رہ کر کافی کچھ سیکھا ہے۔ہم ان کو پیار سے بڑے پیر صاحب کہا کرتے تھے۔

احب الصالحین ولیست منھم
ھل اللہ یرزقنی صلاحاً

میں نے یہ باتیں اس لیے لکھی ہیں کیونکہ اکابر کا تذکرہ روح کو گرما دیتا ہے۔ایمان میں تازگی پیدا کردیتا ہے۔عمل میں پختگی پر گامزن کردیتا ہے۔اس سے اخلاقیات کا بہترین درس ملتا ہے۔وہ پیار و محبت کا پیغام دے کر دلوں کو منور کرتا ہے۔ملنساری کے جذبہ کو قوت ملتی ہے۔صاف اور میٹھی زبان اختیار کرنے کی توفیق ملتی ہے۔سچ گوئی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔عملی زندگی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔توکل علی اللہ اور روحانیت کی لہر پیدا ہوتی ہے۔

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

وظائف:

حضرت جی وظائف واوراد کے بہت پابند تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ لغویات کے قریب بھی نہ بھٹکتے تھے۔مذاق،لطائف اور ہنسانے والی چیزوں سے بالکل پرہیز کرتے تھے۔کبھی سبقت لسانی سے کوئی بات ہوجاتی تو فرماتے یہ بات مجھے نہیں کرنی چاہیے تھی۔

ایک مرتبہ گوجراں والا مسجد مکرم میں تشریف لائے تو کسی نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب نے آپ کو بہت کچھ سنایا ہے۔علماء کے بیانات ہوئے تو جب ان کی باری آئی تو فرمانے لگے کہ جس مولوی صاحب نے میرے بارے میں کچھ باتیں کی ہیں میں نے اس کو معاف کردیا ہے۔اور پیشگی ہی معاف کردیا ہے۔حقیقت میں یہ کیفیت وظائف سے ہی حاصل ہوتی ہے اور خصوصاً رات کے آخری حصہ میں ربّ تعالیٰ کو منانے سے ملتی ہے۔

آخر میں:

میں حضرت جی کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے دعا کروں گا کہ انسان ہونے کے حوالے سے ان سے کئی اغلاط ہوئی ہوں گی اللہ پاک ایک لاکھ نمازیوں کی دعائیں قبول فرما کر انھیں معاف فرمادیں۔

دوسری مرتبہ نماز جنازہ حضرت کے گاؤں میں ان کی مسجد میں ادا کی گئی۔وہاں بھی ہزاروں آدمی تھے۔امامت کے فرائض حضرت جی کے بیٹے جناب حافظ محمد اسمٰعیل میر محمدی نے ادا کیے۔پھر تیسری مرتبہ قبرستان میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔جب مسجد میں نماز ادا کی گئی تو گاؤں کی مستورات نے بھی مسجد کی گیلری میں نماز ادا کی تھی۔

اکثر آنکھیں اشک بار دیکھی گئی تھیں۔ملک بھر کے جید علمائے کرام،مشائخ حدیث،طلبہ کرام اور دیگر جماعتی احباب نے والہانہ محبت کا ثبوت دیا اور ایک ولی کامل کی نماز جنازہ میں حاضری کو سعادت سمجھا ہے۔اب یہ ساری ذمہ داری ان کے صاحبزادہ حافظ محمد اسمٰعیل میر محمدی کے کندھوں پر ہے کہ وہ اخلاص و محبت کے ساتھ اپنے باپ کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کریں تاکہ اس کی چھاؤں،خوشبو اور خوبصورتی میں دن بہ دن اضافہ ہو۔

اللہ پاک ہمیں اور ان کو آنے والی آفات و مصائب سے اپنی پناہ میں رکھے،آمین۔



تبــــصـــــرۂ کـــتـــب

تبصرے کے لیے دو کتب کا آنا ضروری ہے

لقبِ اہل حدیث

مصنف: رانا محمد شفیق خان پسروری
ضخامت: ۳۰۸ صفحات
قیمت: ۲۰۰ روپے
خصوصیات: مضبوط جلد، خوب صورت ٹائٹل، کمپیوٹر کمپوزنگ طباعت اچھی۔
ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث 106 راوی روڈ لاہور۔54000
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

یوں تو ہر کلمہ گو اپنے آپ کو ''مسلمان'' کہتا اور کہلوانا پسند کرتا ہے۔ صحیح وحقیقی مسلمان بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی طرح مسلمان کہلوائے جس طرح وہ عقیدہ وعمل کے اعتبار سے مسلمان بننے کا حق دار ہوگا۔

اب ہر مسلمان کے لیے تعارف کے طور پر اس کے وصفی وتوصیفی نام بھی ہیں۔ جیسے کہ شیعہ حضرات اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، حنفی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، مالکی وشافعی وحنبلی حتی کہ قادیانی تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

جہاں تک اصلی مسلمان ہونے کا تعلق ہے وہ تو صرف عقیدہ وعمل سے ہی مسلمان ہوگا نہ کہ دعوے کرنے سے۔

اب ایک جماعت ایسی ہے جو اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' کہتے ہیں۔ یہ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کا مسلک وطریقہ ''محدثین'' کے منہج پر قائم ہے۔ اسی طائفے کو محمدی، اثری، سلفی، اہل حدیث کہا جاتا ہے۔ مذکورہ القابات ان کے تعارفی وتوصیفی نام ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۳۰ پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک قول اہل حدیث کو سمجھنے کے لیے درج کیا جارہا ہے:

''اہل حدیث (اہل سنت) کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اصول وفروع میں قرآنِ مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مرکز اتباع ٹھہراتے ہیں۔ اور ان امور کی پیروی کرتے ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حامل تھے۔''

مزید لکھتے ہیں کہ

''اہل سنت کا یہ معروف مذہب ہے جو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی پیدائش سے پہلے کا ہے اور یہی مذہب صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، جس کی تعلیم انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی۔ جو لوگ اس کے خلاف دوسری راہ اپنائیں گے اہل سنت کے نزدیک ان کا شمار اہل بدعت میں ہوگا۔''

زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مصنف محترم رانا محمد شفیق خان پسروری ایک کہنہ مشق صحافی، خطیب اور شعلہ بیان مقرر اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ومرتب ہیں۔ ان کے والد گرامی مولانا محمد رفیق خان پسروری رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے دلِ دردمند رکھنے والے مبلغ وخطیب تھے۔ اس کتاب کا انتساب مصنف نے انھی کے نام کیا ہے۔

مصنف موصوف نے کتاب ہذا میں اہل حدیث کے لقب بارے بڑی شرح وبسط سے لکھا ہے اور اہل حدیث پر جو اعتراضات

وموشگافیاں کی جاتی ہیں ان پر مدلل جوابات تحریر کرکے جماعت اہل حدیث کی طرف سے اس کا حق ادا کردیا ہے۔

کتاب پر ابتدائیہ مؤرخ اہل حدیث حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ کا تحریرفرمودہ ہے۔ مقدمہ کے لیے پروفیسر قاضی مقبول احمد صاحب کے قلم گوہر بار کے موتی جمع کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب یوں تو طائفہ منصورہ ''اہل حدیث'' جو اصل میں اہل سنت والجماعت ہیں، کے لقب ''اہل حدیث'' کو واضح کرنے کے لیے لکھی گئی لیکن یہ اپنے اندر نہایت گراں قدر پند ونصائح، معلومات کے انبار اور اہل حدیث کو جاننے و پہچاننے کے لیے بڑی مفید بھی کہی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر سے نوازے مصنف موصوف کو کہ انھوں نے ایک نہایت ضروری موضوع پر یہ کتاب مرتب فرما کر جماعت اہل حدیث کے لیے یقیناً اچھا کام کیا ہے۔ پھر جو لوگ اہل حدیث پر بے جا اعتراضات کرتے ہیں ان کے لیے بھی اس میں دندان شکن مواد موجود ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ مصنف موصوف کو اللہ تعالیٰ مسلک اہل حدیث کی مزید خدمت کی توفیق دے اور ان کا زورِ قلم اور زیادہ کرے، آمین۔

مولانا عبدالرحمٰن عزیز الٰہ آبادی اوران کی مؤلفات

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مولانا عبدالرحمٰن عزیز الٰہ آبادی جماعت اہل حدیث کے اُن علماء کی فہرست میں شامل ہیں جنھوں نے تبلیغی سطح پر کام کرنے کے لیے اپنے قلم کا سہارا لیا ہے۔ جس طرح وہ ایک خطیب ہیں اور بات کو بڑے سلجھے ہوئے پیرائے میں بیان کرنے کے عادی ہیں۔ اسی طرح ان کے قلم گوہر بار نے بھی بڑے غنچے کھلائے ہیں۔ وہ جہاں مختلف رسائل وجرائد میں مضامین لکھتے رہے ہیں وہاں انھوں نے کئی ایک پمفلٹ اور کتابچے بھی تحریر فرمائے، یہ کتابچے کیا ہے؟ علم وتحقیق اور منہج اسلاف کے مطابق تبلیغی اعتبار سے بڑے مفید ہیں اور انھیں قبولِ عام حاصل ہے۔ ان دنوں آپ علالت کے باعث صاحب فراش ہیں۔ موصوف ادارہ امر بالمعروف حسین خاں والا نمبر ۸ پتوکی (قصور) کے مدیر ہیں۔

ان کے مرتب کردہ کتابچوں کی کچھ تفصیل اور جزوی تبصرہ سطور ذیل میں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور موصوف کی صحت کے لیے دعا بھی فرمائیں۔

①......زبان، عقل اور دل کی ترجمان ہے:

۶۳ صفحات پر مشتمل چھوٹے سائز کا یہ کتابچہ زبان کے موضوع پر ایک بڑا مفید اور جان دار دلائل پر مرتب شدہ ہے۔ انھوں نے جسم انسانی کے ایک اہم جزو ''زبان'' پر ۴۹ عنوان باندھے ہیں۔

زبان ہی وہ چیز ہے جس سے انسان کی شخصیت اور اس کے چال چلن کا اندازہ ہوتا ہے اور زبان ہی وہ آلہ ہے جس کے چلنے سے آدمی خود اپنی پہچان کروادیتا ہے۔ کریم النفس اور اعلیٰ اطوار آدمی کی زبان اور عام آدمی کی زبان میں فرق اسی عضو سے ہوجاتا ہے۔ مولانا موصوف نے بڑے واضح اور نکھرے انداز سے زبان کے تمام افعال وتراکیب مدنظر رکھ کر کتابچہ مرتب فرمایا ہے۔ یہ ایک پڑھنے کے لائق چیز ہے۔

②......مومن کی زندگی کے آخری مراحل:

انسان کا دنیا میں آنا، یہاں سے جانے کی تمہید ہے۔ اسلام نے جہاں انسانیت کی فلاح اور کامرانی کے اسباق اپنے ماننے والوں کے لیے چھوڑے ہیں وہاں انسان کو مومن بننے کے گر بھی سمجھا و پڑھا دیے ہیں۔ مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے آئینے کی حیثیت سے گردانا گیا ہے۔ زیر تبصرہ کتابچہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب عزیز الٰہ آبادی نے بڑی محنت وجستجو سے مرتب فرمایا ہے۔ یہ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتابچے میں مومن کی زندگی کے وہ مراحل بیان کردیے گئے ہیں جو اسے سفر آخرت کی طرف جانے سے پہلے درپیش ہوسکتے ہیں۔ مثلاً بیماری، گناہوں کا بوجھ، بیماری میں صبر وتحمل اور اس کا اجر، توبہ، توبہ کے فوائد، مرض کی نوعیت اور اس مرض سے دوسروں کے لیے عبرت، نمازِ جنازہ اور

لوگوں کا میت پر دعائے خیر کا طریقہ وغیرہم جیسے اہم موضوعات پر سیر حاصل گفتگو اس کتابچے میں کی گئی ہے۔

③......القول المختار فی الصلوٰۃ والسلام علی سید الابرار:

ہادئ اعظم، رسولِ معظم، رحمۃ للعالمین جناب محمد مرسلین ﷺ کی ذاتِ بابرکات اس لائق ہے کہ اُن پر کثرت سے درود وسلام پڑھا جائے۔ جب بھی اور جس کے منہ سے بھی آپ ﷺ کا نامِ نامی سنا جائے تو سننے وسنانے والے پر فرض ہے کہ وہ درود وسلام ضرور پڑھے، صلی اللّٰہ علی النبی الامی۔

یہ پمفلٹ ۷۷/صفحات پر چھوٹے سائز میں شائع کیا گیا ہے۔ سلام کی فضیلت اور سلام پڑھنے و کہنے کے مواقع اس پمفلٹ میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر مسلمان جس طرح نبی آخر الزماں ﷺ سے محبت وعقیدت رکھتا ہے اسی طرح اس کو آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر درود بھی اسی طریقے وقانون کے مطابق پڑھنا چاہیے۔ موصوف مولانا صاحب نے سلام و درود کی تاریخی، شرعی اور حقیقی شان بیان کر کے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔

④......الصلوٰۃ نور:

یہ پمفلٹ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے۔ نماز کے عنوان پر مرتب کیا گیا ہے۔ نماز کی فرضیت، نماز دین کا ستون، آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو فرمایا گیا ہے۔ جس شخص کی صرف نماز صحیح ہوگئی یقیناً اُس کے سارے مسائل حل ہوگئے۔ اس لیے نماز کو صحیح اور رسول اللّٰہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا کرنا چاہیے۔ یہ رسالہ ۲۳/صفحات پر مشتمل ہے۔

⑤......وضو کے فیوض وبرکات:

یہ رسالہ موصوف نے وضو کے بارے تحریر فرمایا ہے۔ وضو کے متعلقہ جتنے امور اور مستحبات احادیث میں بیان فرمودہ ہیں انھیں اس میں یک جا کر دیا گیا ہے۔ طہارت سے لے کر وضو کے آخری امر تک، وضو کے طریقے اور طہارت کو روانی سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح نواقض وضو یعنی وضو توڑنے والے امور بھی بیان کیے گئے ہیں۔

⑥......قُلْ جَاءَ الْحَقّ:

یہ مختصر رسالہ بڑا مفید اور جان دار دلائل پر مبنی ہے کہ اس رسالے کو عالم عرب کے ایک عظیم خطیب ومصنف جناب علامہ محمد نسیب رفاعی نے عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس میں انھوں نے رسول اللّٰہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو اوّل الخلق نہیں بلکہ افضل الخلق ثابت کیا ہے۔ بعض احباب وافراد کا دعویٰ ہوتا ہے کہ نبی رحمت، افضل البشر، خاتم النبیین علیہ السلام کائنات میں سب سے اوّل پیدا فرمائے گئے ہیں۔ جب کہ عقیدہ صحیحہ یہ ہے کہ آپ ﷺ افضل الخلق ہیں۔ سارے جہان میں آپ ہی کا چرچا وفضیلت ساری مخلوقات میں زیادہ وبرتر ہے۔ یعنی آپ ''بعد از خدا توئی قصہ مختصر'' کے بہترین مصداق ہیں۔

اس پمفلٹ کا ترجمہ وتشریح مولانا عبدالرحمٰن عزیز الٰہ آبادی کے قلم سے رواں اردو زبان میں ہوا ہے۔ پڑھنے وسمجھنے کے لائق ہے۔

⑦......امام کائنات ﷺ کی حیاتِ طیبہ (ماہ وسال کے آئینے میں):

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ومقدسہ کو تقویم کے ذریعے اس پمفلٹ میں لکھا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں جو جو واقعات رونما ہوئے، جو حالات گزرے انھیں ہجری وعیسوی تواریخ لگا کر الگ الگ جمع کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام پمفلٹ ورسالے حضرت مولانا عبدالرحمٰن عزیز الٰہ آبادی کے مرتب یا ترجمہ شدہ ہیں۔ یہ ان کے ادارے امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حسین خان والا نمبر ۸، پتوکی ضلع قصور، پوسٹ کوڈ ۵۵۳۰۱ سے منگوائے جا سکتے ہیں۔

درج ذیل مقامات سے بھی دستیاب ہیں۔

①......شکیل ٹریڈرز کچھی گلی نمبر ۱، میرٹ روڈ کراچی ۷۴۰۰۰

②......عبدالوحید محمدی خواجہ لاء ایسوسی ایٹس، ۱۲۔ مائیکوپ سنٹر مزنگ روڈ لاہور۔

③......قاری عبدالحفیظ عزیز حسین خان والا نمبر ۸ پتوکی ضلع قصور



فہرست کتب

۲۹۷،۳۲۸ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری

ع۳۴۹خ خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون (حصہ دوم)، ص:۴۰،مطبع سعید المطابع بنارس

۲۹۷،۳۲۸ ڈاکٹر صالح الفوزان،مترجم:محمد اسلام عمری

ف۷۷۸م ممنوع خرید وفروخت،ص:۲۷،مکتبہ ترجمان اہل حدیث اردو بازار دہلی ۱۹۹۸ء

۲۹۷،۳۲۸ علامہ یوسف القرضاوی،مترجم:شمس پیرزادہ

ق۵۲ا اسلام میں حلال وحرام،ص:۴۳۲، الدار السّلفیہ بھنڈی بازار بمبئی ۱۹۸۱ء

۲۹۷،۳۲۸ مولانا محمد منیر قمر صاحب

ق۷۱ش شراب اور دیگر منشیات کتاب وسنت کی نظر میں،ص:۳۹۹ مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ ۱۹۹۳ء

۲۹۷،۳۲۸ ابومحمد عبدالسلام کیلانی

ک۹۰۴م منشیات اور اسلام، ص:۲۳۸، ادارہ مرأۃ القرآن والحدیث شیش محل روڈ لاہور ۱۹۹۲ء

۲۹۷،۳۲۸ ابواسماعیل یوسف حسین خان پوری

ی۵۴۷ب البینات الواضحات ملقب بہ شرعی حلال وحرام،ص:۴۸،محمد نعمان مدرس دارالعلوم محمدیہ شیخو پورہ

۲۹۷،۳۳ مولانا محمد تقی امینی

ا۷۰۲ اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۳۴۲، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱۹۸۸ء

۲۹۷،۳۳ مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ

ج۲۰۵ا احکامِ سفر، ص:۱۲۶، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور نومبر ۲۰۰۳ء

۲۹۷،۳۳ مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ

ج۲۰۵ا احکام وقف وہبہ،ص:۸۰، ادارہ جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ ۲۰۰۵ء

۲۹۷،۳۳ امّ عبدمنیب

ع۵۳۶م (متبنّٰی) کسی دوسرے کا بچہ گود لینا،ص:۳۲، مشربہ علم وحکمت ۱۴۲۸ھ

۲۹۷،۳۳ فاروق اصغر صارم

ف۱۹ا اسلامی اوزان،ص:۱۰۴، ادارہ احیاء التحقیق الاسلامی گوجرانوالا

۲۹۷،۳۳ مجاہد الاسلامی قاسمی

ق۳۰۴م مجلّہ فقہ الاسلامی،ص:۶۹۴،اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۲۹۷،۳۳ محمد اقبال کیلانی

ک۹۴د دوستی اور دشمنی (کتاب وسنت کی روشنی میں) ص:۲۰۰، حدیث پبلی کیشنز شیش محل روڈ لاہور

۲۹۷،۳۳ سید وقار علی شاہ

ا۱۰۷ب بہشتی زیور کا خود ساختہ اسلام،ص:۶۴، المکتبہ السّلفیہ لاہور ۲۰۰۱ء

۲۹۷،۳۳ نوید احمد شہزاد

ن۹۱۱ت تفریح کا اسلامی تصور،ص:۲۱۳، عبدالوحید شیخ دولت کارپوریشن کارخانہ بازار فیصل آباد

۲۹۷،۳۳۱ ابوحنیفہ رحمہ اللہ (مجموعہ ۴ کتب)

ا۵۵ف فقہ اکبر مع وصیت نامہ،ص:۲۴،مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

۲۔مسائل خمسہ،محمد عثمان

۳۔مسائل اللباس،شیخ عبدالحق دہلوی

۴۔ الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ، اشرف علی تھانوی۔

۲۹۷،۳۳۱ ابوحنیفہ رحمہ اللہ (مجموعہ ۲ کتب)

ا ۱۵۵ ف فقہ اکبر،ص:۲۴،مطبع اسلامیہ،لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک دعوتِ توحید کا تعارف، اس کا پیغام اور اثرات

تحریک کا آغاز: تحریک کا آغاز اپریل 2006ء میں کیا گیا جس کا مقصد کوئی الگ جماعت بنانا تھا اور نہ ہے۔ اس کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ کی سنت کے مطابق ہر جگہ توحید کا پرچار کیا جائے۔

''اللہ'' کی توفیق اور احباب کے تعاون سے اب تک جو کچھ ہوا سندھ، پنجاب، سرحد اور بلتستان کے 2006ء میں 119، 2007ء میں 122 اور 2008ء میں 155 مقامات کے تبلیغی دورے اپنی مدد آپ کے تحت کیے گئے

فری لٹریچر کی تقسیم: 225000 سٹیکرز بسوں، ویگنوں اور دوکانوں پر چسپاں کرنے کے ساتھ 225000 توحید کے فائدے اور شرک کے نقصانات، 50000 سرورِ دوعالم ﷺ کا پیغام، اقوامِ عالم کے نام۔ اس طرح تین لاکھ پمفلٹ سکولز، کالجز اور مساجد میں تقسیم کیے گئے۔

خبریں: ہر ہفتہ کسی نہ کسی قومی اخبار میں توحید پر مبنی چھوٹا، بڑا بیان لگوانے کے ساتھ سہون، پیر بھٹائی (سندھ)، بلھے شاہ (قصور) اور حضرت ہجویریؒ کے میلہ پر اخبارات میں بیانات دیے گئے۔ جن میں یہ الفاظ تھے ''داتا اور مشکل کشا، اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ قبروں پر سجدہ کرنا حرام ہے۔ حکومت کو مزاروں پر سجدہ کرنے سے لوگوں کو منع کرنا چاہیے۔''

ویڈیو: مختلف مزارات پر قیام، رکوع، سجود اور دیگر خرافات دیکھا کر اس کی قرآن وسنت اور بریلوی علماء کرام کے فتاوٰی جات کی روشنی میں احسن طریقے کے ساتھ شرک وخرافات کی نفی کی گئی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ویڈیو بڑے بڑے شہروں کے کیبل نیٹ پر چلائی جائے گی۔

تحریک کے اثرات: پہلی مرتبہ دیواریں لکھیں گئیں تو فون پر قتل کی دھمکیاں، مغلظات سننے میں آئیں اور دیواریں مٹا دیں گئیں۔ لیکن اب بریلوی مکتبہ فکر کے جید علماء نے محسوس کیا ہے کہ اہل حدیث حضرات کی نسبت ہماری ذمہ داری زیادہ ہے کہ ہم اپنے احباب کو شرک وخرافات سے روکیں۔ چنانچہ چند بزرگوں نے ایک اجتماع میں درج ذیل فیصلہ اور فتوٰی جاری کیا ہے۔

حضرات بریلوی علمائے کرام سے اپیل: جس طرح مزارات پر ہونے والے شرک وخرافات کے بارے آپ نے مضبوط قدم اٹھایا ہے اسی طرح پکی قبروں، مزارات، عرس اور میلوں کے بارے میں بھی امت کو آگاہ فرمائیں کہ شریعت میں انکی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ ہم علمائے کرام کے شکر گزار اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عقیدہ توحید پھیلانے اور شرک وبدعات کے خلاف کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب آپ بزرگوں کی اپیل من وعن انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

میاں محمد جمیل: کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان
37۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن
لاہور 042.5417233، 0333.4566379

محکمہ اوقاف، مشائخ عظام، علمائے کرام اور عوام اہلسنت سے اپیل: ۔۔۔ایک طبقہ اپنی ساکھ بچانے کے لیے مزارات پر ہونے والی خرافات کو بطورِ دلیل پیش کر کے اہلسنت وجماعت کے سچے معتقدات پر تنقید کرنے میں مصروف ہے۔ اس سے قطع نظر ہمارے مذہب ومسلک کا بھی ہم سے تقاضا ہے کہ ہم ایسے امور کے خلاف جہاد کریں جن کی ہمارا مسلک اجازت نہیں دیتا چنانچہ اگر کوئی جاہل:

۱۔ کسی مزار شریف کے احاطہ پر حاضری کے وقت سجدہ یا طواف کی شکل بنائے۔
۲۔ کسی مزار کے احاطہ یا کسی جگہ میں آگ جلا کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو۔
۳۔ کسی مزار شریف پر عورتیں بے پردہ حاضری کے لیے جائیں یا بے پردہ عورتوں کا مردوں سے اختلاط ہو۔
۴۔ کسی مزار شریف کے احاطہ یا قرب وجوار میں بھنگیوں چرسیوں نے ڈیرے جمار کھے ہوں۔
۵۔ کسی مزار شریف میں جرائم پیشہ لوگوں نے پناہ لے رکھی ہو۔
۶۔ عرس شریف کے موقع پر ڈھول بجانے یا گانے بجانے کا دھندا کیا جاتا ہو یا عریانی فحاشی کا بازار گرم کیا جاتا ہو۔
۷۔ کسی مزار شریف پر کوئی نام نہاد پیر یا کوئی عاقبت نا اندیش واعظ اسلامی تعلیمات اور سنی عقائد کے خلاف گفتگو کرتے ہوئے، بدعقیدگی بدعملی پھیلانے کی کوشش کرتا ہو یا اس کے علاوہ کسی قسم کی کوئی غیر شرعی حرکات پائی جائیں۔

ہم سب کا مشترکہ فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کریں اور انہیں آہنی ہاتھوں سے روکیں۔ حکومت سے اپیل ہے کہ لوگوں کو ان باتوں سے روکے۔ ہم فی الحال یہ اپیل کر رہے ہیں لیکن اگر ہماری اپیل پر کان نہ دھرا گیا تو اگلے مرحلے میں ان خرافات کو بزورِ بازو روکنا ہماری ایمانی مجبوری ہوگی۔

والسلام مع الف اکرام
محمد اشرف آصف جلالی
بانی ادارہ صراط مستقیم پاکستان
۱۳صفر ۱۴۳۰ھ۔ ۹فروری ۲۰۰۹ء

محمد اشرف آصف جلالی
پرنسپل جامعہ جلالیہ رضویہ
مظہر الاسلام داروغہ والا

تصدیق کنندہ گان وتائید کنندہ گان

حضرت مفتی محمد منیب الرحمٰن صاحب صدر تنظیم المدارس پاکستان	
حضرت ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس پاکستان، جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور	
حضرت علامہ حافظ عبدالستار سعیدی صاحب ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ لاہور (لوہاری گیٹ لاہور)	
حضرت مفتی محمد خان قادری صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ ٹھوکر نیاز بیگ لاہور	
حضرت علامہ مقصود احمد قادری صاحب ریٹائرڈ خطیب داتا دربار	
حضرت مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری صاحب مہتمم جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن	
حضرت مولانا خادم حسین رضوی صدر مجلس علما نظامیہ	
حضرت مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفٰے نقشبندی	

27مارچ تا02اپریل2009ء......(465)......29ربیع الاوّل1430ھ

بمقام جامعہ علوم اثریہ جہلم

بتاریخ 3 جمعہ 4 ہفتہ اپریل 2009

صبح 8 بجے سے شام 6 بجے تک

آنکھوں کے علاج اور آپریشن کا

8 واں سالانہ فری آئی کیمپ

★ جس میں بین الاقوامی شہرت یافتہ تجربہ کار، آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر آنکھوں کا معائنہ اور علاج کریں گے۔

★ تمام مستحق مریضوں کو آپریشن کے ذریعے آئی، او، ایل (IOL) بھی فری لگایا جائے گا۔

★ دوران علاج دوائیں، رہائش اور کھانا بلامعاوضہ مہیا کیا جائے گا۔

نوٹ: آپریشن والے مریض بستر اور برتن ہمراہ لائیں۔

بتعاون: البصر انٹرنیشنل فاؤنڈیشن — مؤسسة البصر الخيرية

زیر انتظام: الابراہیم آئی ہسپتال ملیر، کراچی

زیر اہتمام: اثریہ سوشل ویلفیئر ونگ، انجمن اہل حدیث جہلم، اہل حدیث یوتھ فورس، اہل حدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن

جامعہ 613671 فون 613684 فیکس 613672-73 کوڈ نمبر 0544

(آخری قسط)

قرآن کیا ہے؟

(۷)

مثلِ حق پنہاں وہم پیدا ست ایں — زندہ و پایندہ و گویا ست ایں
خدا کی طرح قرآن پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی — یہ زندہ ہے ابدی ہے اور ہمیشہ آوازۂ حق بلند کرتا ہے

اندر و تقدیر ہائے غرب و شرق — سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق
قرآن میں مشرق و مغرب کی تقدیریں پوشیدہ ہیں — تو بھی اپنے عقل وفہم میں بجلی کی سی تیزی پیدا کر

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ — ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ
اس نے مسلمان سے کہا۔ جان ہتھیلی پر رکھ لے — اور زاید از ضرورت جو کچھ بھی ہے راہِ خدا دے ڈال

آفریدی شرع و آئینے دِگر! — اند کے بانور قرآنش نگر!
تو نے تو ایک نئی شریعت اور نیا آئین وضع کیا ہے — اس آئین و شریعت کو نورِ قرآنی سے دیکھ

از بم و زیرِ حیات آگہ شوی — ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوی
تاکہ تو زندگی کے نشیب و فراز سے باخبر ہوجائے — اور تقدیرِ زندگی تجھ پر کما حقہ منکشف ہو

[عبدالرحمان طارق، بی اے]